الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

دسمبر 2025

حافظِ ملت
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اوصاف کریمانہ کی ایک جھلک

▪ حافظِ ملت علیہ الرحمہ کتاب پڑھاتے وقت طلبہ کے مزاج، فہم اور روحانی کیفیت پر بھی نگاہ رکھتے۔ وہ فرماتے تھے: "کتاب کو پڑھانا آسان ہے، مگر دلوں کو پڑھنا استاد کا اصل کمال ہے۔"

▪ اگر کوئی شاگرد درس سے باہر غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل اختیار کرتا تو آپ خاموشی سے اصلاح فرماتے، نصیحت میں سختی نہیں بلکہ محبت کا لہجہ اختیار کرتے تاکہ شاگرد ندامت کے بجائے شعورِ اصلاح سے بہرہ مند ہو۔

▪ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ روحانی و جسمانی علاج کے بھی ماہر تھے، طلبہ اگر بیمار ہوتے تو آپ خود تیمارداری فرماتے۔ بعض اوقات قرآن کی آیات سے تعویذ لکھ کر دیتے، اور فرماتے: "قرآن دوا بھی ہے، دعا بھی۔"

▪ آپ کے پاس کوئی طالبِ علم مالی تنگی میں آتا تو آپ اپنا ذاتی خرچ روک کر اُس کی مدد کرتے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے کئی غریب طلبہ کو عالمِ دین بنایا، اور ان کے ذریعے ملک بھر میں علم کے چراغ روشن ہوئے۔

▪ ان کی نگاہ شاگرد پر اُس وقت بھی رہتی جب وہ فارغ التحصیل ہو کر کسی مدرسے یا علاقے میں خدمت پر مامور ہوتا۔

▪ اگر کسی کو تدریسی یا معاشی دشواری پیش آتی تو حافظِ ملت علیہ الرحمہ فوراً اُس کی خبر گیری کرتے، مشورہ دیتے، اور عملی مدد فراہم کرتے۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبد الحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 50 شمارہ 12

دسمبر 2025ء

جمادی الآخرہ 1447ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : مبارک حسین مصباحی

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$25 امریکی ڈالر   £20 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com
mubarakmisbahi@gmail.com
info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY
A/c No. 3672174629
Central Bank Of India
Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپواکر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		حضور حافظ ملت ایمان کامل کی عملی تصویر	مہتاب پیامی	5
قرآنیات	تفہیم قرآن	نماز میں کن سورتوں کی تلاوت کی جائے؟	مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری	11
فقہیات	آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.......	مفتی محمد نظام الدین رضوی	
نظریات	فکر امروز	اسلامی تصورات اور مغربی اصطلاحات	محمد فداء المصطفیٰ قادری	27
اسلامیات	شعاعیں	تحفظ ختم نبوت	مبارک حسین مصباحی	37
شخصیات	انوار حیات	مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی	مولانا محمد فروغ القادری	39
سیاسیات	آئینۂ عالم	سوڈان کی حالت اور عالمی طاقتوں کی خاموشی	حافظ افتخار احمد قادری	44
تاریخیات	یاد ماضی	حمورابی اور اس کے قوانین	مہتاب پیامی	46
طبیات	حفظان صحت	جسمانی طہارت کی طاقت	ڈاکٹر ام فرح (ایم ڈی)	52
بزم خواتین	چراغ خانہ	دنیاوی چالیس اور عورت کا وقار	سلمیٰ شاہین امجدی	54
بزم دانش	فکر و نظر	زیارتِ قبور اور گمراہ پیروں کے احکام	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری	56
		پیر کے تعلق سے کچھ ضروری باتیں	مولانا محمد نظام الدین مصباحی قادری	
ادبیات	گوشۂ ادب	تذکرہ کچھ اردو زبان کا	جاوید بھارتی	
مکتوبات	صدائے بازگشت	محمد شارق رضا کوشامبی		81
سرگرمیاں	عالمی خبریں	برطانیہ میں مسلم مخالف نفرت میں اضافہ،/اسرائیلی وزیر اعظم کی گرفتاری کا وارنٹ		84
	خیر و خبر	* جامعہ اشرفیہ میں یوم مفتی اعظم ہند کا انعقاد * مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں تکمیل حفظ قرآن کریم تقریب کا انعقاد		85
منظومات	خیابانِ حرم	**نعت و منقبت:** عادل رضا پورنوی * سید محمد نورالحسن نور توّابی * ریاض حسین چودھری		86

اداریہ

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان

ایمان کامل کی عملی تصویر

مہتاب پیامی

اسلام کی روح ”ایثار“ اور ”خدمتِ خلق“ سے عبارت ہے۔ قرآنِ کریم میں مومنین کی جن صفات کو بلند مرتبہ عطا کیا گیا ہے، اُن میں ایک نمایاں صفت یہ بھی ہے:

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ.(الحشر:9)

یعنی وہ اپنی حاجت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مومنین کی جو یہ صفت بیان فرمائی اصل میں یہ ایمان کی پختگی اور انسانیت کی معراج ہے۔ ہمارے آقا و مولا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

والذي نفسُ مُحَمَّدٍ بيدِهِ لا يُؤْمِنُ أحدُكُم حتى يُحِبَّ لِأَخِيهِ ما يُحِبُّ لنفسِهِ من الخيرِ.(النسائی:5017)

”قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تم میں سے کوئی شخص (اس وقت تک کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، یعنی ہر بھلائی۔

یہ حدیثِ مبارک در اصل صرف اخلاقی تعلیم تک محدود نہیں بلکہ ایک ایسا روحانی پیمانہ ہے جس سے کسی کے ایمان کا درجہ پرکھا جا سکتا ہے۔ اس پیمانے پر اگر ہم ماضی قریب کے ہندوستانی علما چند برگزیدہ ہستیوں کو پرکھیں تو یقیناً ان میں جلالۃ العلم حضور حافظ ملے علامہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کا نامِ نامی ابھر کر سامنے آتا ہے۔ بلا شبہ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی حدیث کے عملی سانچے میں ڈھال کر پیش کیا۔

حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی ذات علم، حلم، زہد اور سخاوت کا حسین امتزاج تھی۔ آپ کی زندگی کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ آپ کا ہر عمل، ہر فیصلہ اور ہر جذبہ ”میں“ سے زیادہ ”ہم“ کے احساس سے معمور تھا۔ آپ نے اپنی ذات کو امت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز رہتے ہوئے بھی آپ کے دروازے پر ہمیشہ ضرورت مندوں کا ہجوم رہتا۔ نہ کوئی محروم لوٹتا، نہ کسی کو واپس جانے کا دکھ دیا جاتا۔ اپنے آرام، اپنی آسائش، حتیٰ کہ اپنے لباس اور خوراک تک میں آپ نے دوسروں کو مقدم رکھا۔ یہ وہ صفت ہے جو صرف واعظانہ تعلیم سے نہیں بلکہ دل کے ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا طرزِ حیات اس بات کی عملی تفسیر تھا کہ ”مومن وہ ہے جو اپنے بھائی کے لیے وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے“۔ آپ کی طبیعت میں دوسروں کو خوش دیکھنے کا ایک فطری ذوق موجود تھا۔ اگر کسی عالمِ دین، طالبِ علم یا دین کے لیے کام کرنے والے کسی رضا کار کو مالی تنگی کا سامنا ہوتا تو آپ حتی المقدور تعاون پیش فرماتے۔ آپ کی حیات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ اپنے لیے خرچ کرنے سے زیادہ دوسروں پر خرچ کرنے میں روحانی لذت و مسرت محسوس کرتے تھے۔ جب

کبھی کسی محتاج کی خبر ملتی تو آپ کی آنکھوں میں خوشی کی ایک خاص چمک پیدا ہوتی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ: ”خوشی وہ نہیں جو ہم اپنی ذات کے لیے حاصل کریں، بلکہ وہ ہے جو کسی دوسرے کے چہرے پر مسکراہٹ بن کر ظاہر ہو۔“

حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد جب اُن کے ذاتی کمرے سے ایک پرانی ڈاک کی گٹھری ملی، تو اس نے آپ کے خاموش ایثار کی وہ داستانیں بیان کیں جس کا ذکر تک انھوں نے کبھی کسی سے نہیں کیا تھا۔ اُن خطوط میں ملک بھر کے علما، مدرسین، طلبہ اور خدامِ دین کے شکریے نامے شامل تھے، جن میں انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اُن کی مالی و اخلاقی مدد فرمائی۔ یہ گٹھری ایک ایسا آئینہ تھی جس میں حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے باطنی حسن کی جھلک نظر آتی تھی۔ انھوں نے سخاوت و فیاضی کو کبھی نمائش کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ بسا اوقات تو ایسا بھی ہوا کہ جن کے لیے خرچ کیا، ان پر بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ کسی کے احسان کے زیرِ سایہ ہیں۔ یہی خلوص، یہی بے غرضی آپ کے اخلاق کا بنیادی ستون تھا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خيرُ الناسِ أنفعُهم للناسِ. (المعجم الاوسط:۵۷۸۷)

یعنی سب سے بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہو۔

حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے اسی نبوی تعلیم کو اپنے دائرۂ عمل کا محور بنایا۔

یقیناً آپ کی پوری زندگی خلوص و للّٰہیت سے مرقع تھی۔ دارالعلوم اشرفیہ کی بنیاد ہو یا طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام، فقرا و مساکین کی خبر گیری ہو یا مساجد و مدارس کی تعمیر، ہر شعبے میں آپ نے اپنے وسائل اور اثر و رسوخ کو دین کی خدمت کے لیے استعمال کیا۔

آپ کے بیش تر تلامذہ کا بیان ہے کہ بارہا مدرسے کے اخراجات کے لیے مختص رقم ختم ہو جاتی مگر آپ تعلیم و تعلم پر اثر نہ آنے دیتے اور اکثر اوقات اپنا ذاتی اثاثہ بیچ کر نظامِ تعلیم کو جاری رکھتے۔ کبھی آپ نے کسی ذاتی مفاد کے لیے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کیا، البتہ جب دوسروں کی ضرورت سامنے آئی تو آپ نے اپنی قلیل جمع پونجی بھی خوشی سے لٹا دی۔

تصوف کے زاویے سے دیکھا جائے تو ایثار دراصل ”نفس کے فنا ہونے“ کی علامت ہے۔ جب انسان اپنی خواہشات سے اوپر اٹھ جاتا ہے اور دوسروں کے لیے جیتا ہے، تو وہ دراصل ”محبتِ الٰہی“ کے حقیقی مفہوم کو پا لیتا ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ اسی ”فنا فی الاخلاق“ کے مقام پر فائز تھے۔ ان کے دل میں مخلوقِ خدا کے لیے درد و محبت کا دریا موجزن تھا، خدمتِ خَلق کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: **”اگر تم چاہتے ہو کہ تمھاری دعا قبول ہو تو کسی کی حاجت پوری کر دو۔“**

حافظِ ملت علیہ الرحمہ سخاوت کے ساتھ ساتھ سادگی بھی بے مثال تھے۔ آپ کے کپڑے عام کپڑے تھے، خوراک عام لوگوں جیسی، مگر دل میں شاہانہ سخاوت تھی۔ آپ کے خدام نے بیان کیا کہ اکثر آپ اپنی چادر کسی غریب طالبِ علم یا مسافر کو دے دیتے اور خود پرانی اوڑھ لیتے۔ کبھی کسی نعمت کو اپنی ملکیت نہیں سمجھا۔ فرمایا کرتے تھے: **”یہ سب کچھ اللہ کا ہے، ہم تو صرف اس کے امین ہیں۔“**

یہ طرزِ فکر دراصل اسلامی معاشرت کا وہ گمشدہ جوہر ہے جو سماجی عدل و محبت کی بنیاد بنتا ہے۔ حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے اس جوہر کو اپنی زندگی میں زندہ رکھا۔ ان کا یہ جذبہ صرف فردی عمل نہیں تھا بلکہ ایک سماجی تحریک کی بنیاد بھی تھا۔ انھوں نے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو یہی گوہرِ نایاب دیا کہ ”خدمتِ دین“ کا مطلب صرف تدریس نہیں، بلکہ عوام و خواص کی فلاح کا ہر ممکن ذریعہ اختیار کرنا ہے۔

—*—*—*—

دنیا کے تعلیمی اور روحانی نظاموں میں استاد اور شاگرد کے تعلق کی نوعیت ہمیشہ بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ مگر جب ہم حضور حافظ

ملت علیہ الرحمہ کی سیرت کے آئینے میں اس تعلق کو دیکھتے ہیں تو وہ عام معلم اور متعلم کے رشتے سے بہت آگے بڑھ کر ایک پدرانہ اور روحانی نظامِ تربیت کی صورت نظر آتے ہے۔ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اسلامی تعلیم کا جوہر صرف علم کا حصول نہیں بلکہ انسان کی مکمل تربیت ہے۔ قرآنِ مجید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ ؕ (البقرۃ:129)

ترجمہ: ”نہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمادے“

اسی قرآنی معیار کو اگر کسی نے برصغیر کے علمی ماحول میں حقیقی رنگ دیا تو وہ حافظِ ملت علیہ الرحمہ تھے۔ ان کے نزدیک تعلیم صرف ذہن کی غذا نہیں بلکہ روح کی طہارت کا ذریعہ بھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ملت کا نظامِ تدریس روایتی حلقے سے آگے بڑھ کر ”تربیتِ انسانیت“ کا ایک جامع ادارہ بن گیا۔

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے جو تبصرہ کیا ہے، وہ حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت کا نہایت گہرا تجزیہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ عام طور پر استاد و شاگرد کا رشتہ حلقۂ درس تک محدود ہوتا ہے، مگر حافظ ملت علیہ الرحمہ کے یہاں یہ دائرہ پورے انسانی وجود کو محیط تھا۔ شاگرد ان کے پاس محض کتابیں پڑھنے نہیں آتا تھا، بلکہ اپنی پوری زندگی کی سمت متعیّن کرنے آتا تھا۔

حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا طرزِ تعلیم اس بات کا مظہر تھا کہ وہ علم کو زندگی کے عمل سے جوڑتے تھے ◘ اگر شاگرد درس میں ہوتا تو آپ اُس کے علمی شعور کی آبیاری کرتے، ◘ اگر وہ مجلس میں بیٹھتا تو اخلاق و آداب کی تربیت دیتے، ◘ اگر بیمار ہوتا تو روحانی علاج کرتے، ◘ اگر تنگدست ہوتا تو مالی مدد کرتے، ◘ اگر فارغ التحصیل ہوتا تو روزگار دلانے تک ساتھ دیتے، ◘ اور شادی بیاہ، گھریلو مسائل یا معاشرتی الجھنوں میں بھی ایک مشفق اور مہربان باپ کی طرح مشورہ اور معاونت فرماتے۔

حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا یہ امتیاز ہے کہ آپ کے درس گاہ سے نکلنے والے طلبہ نہ صرف علم میں ممتاز ہوتے تھے بلکہ اخلاق، تہذیب، اور خدمتِ خلق کے عملی نمونے بھی تھے۔ اکثر اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کرتے ”علم بغیر عمل کے بے روح ہے، اور عمل بغیر اخلاق کے بے اثر“، یہی وجہ تھی کہ شاگردوں کو محض عبارت خوانی نہیں سکھاتے تھے بلکہ ان کے دلوں میں دینی حمیت، اخلاقی غیرت، اور انسانی محبت کے چراغ روشن کرتے تھے۔ ان کے طرزِ تربیت کے چند پہلو جو علامہ ارشد القادری کی تحریروں سے ابھر اور نکھر کر سامنے آتے ہیں، درج ذیل ہیں:

◘ حافظِ ملت علیہ الرحمہ کتاب پڑھاتے وقت طلبہ کے مزاج، فہم اور روحانی کیفیت پر بھی نگاہ رکھتے۔ وہ فرماتے تھے:

”کتاب کو پڑھانا آسان ہے، مگر دلوں کو پڑھنا استاد کا اصل کمال ہے۔“

◘ اگر کوئی شاگرد درس سے باہر غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل اختیار کرتا تو آپ خاموشی سے اصلاح فرماتے، نصیحت میں سختی نہیں بلکہ محبت کا لہجہ اختیار کرتے تاکہ شاگرد ندامت کے بجائے شعورِ اصلاح سے بہرہ مند ہو۔

◘ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ روحانی و جسمانی علاج کے بھی ماہر تھے، طلبہ اگر بیمار ہوتے تو آپ خود تیمارداری فرماتے۔ بعض اوقات قرآن کی آیات سے تعویذ لکھ کر دیتے، اور فرماتے: ”قرآن دوا بھی ہے، دعا بھی۔“

◘ آپ کے پاس کوئی طالبِ علم مالی تنگی میں آتا تو آپ اپنا ذاتی خرچ روک کر اُس کی مدد کرتے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے کئی غریب طلبہ کو عالمِ دین بنایا، اور ان کے ذریعے ملک بھر میں علم کے چراغ روشن ہوئے۔

▫ان کی نگاہ شاگرد پر اُس وقت بھی رہتی جب وہ فارغ التحصیل ہو کر کسی مدرسے یا علاقے میں خدمت پر مامور ہوتا۔ اگر کسی کو تدریسی یا معاشی دشواری پیش آتی تو حافظِ ملت علیہ الرحمہ فوراً اُس کی خبر گیری کرتے، مشورہ دیتے، اور عملی مدد فراہم کرتے۔

اصل میں حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی تربیت محض ادارہ جاتی نہیں بلکہ روحانی تزکیہ پر مبنی تھی، ان کا ماننا تھا کہ علم کے دروازے کھولنے سے پہلے دل کے دروازے کھولنا ضروری ہیں، اسی لیے وہ شاگردوں کے ساتھ تزکیۂ نفس، مراقبہ، ذکر، اور خدمت خلق کو بھی تربیت کا حصہ بناتے تھے۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے بقول، حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا طرزِ تربیت ایسا تھا کہ پوری درس گاہ اُن کے قلب و نظر کے دائرے میں سمائی ہوئی تھی، ہر شاگرد کو محض کسی درخت کی شاخ نہیں بلکہ ایک مکمل باغ سمجھتے تھے جس کی نشو و نما اُن کی ذمہ داری تھی، اسی وصف نے انھیں اپنے معاصرین میں ممتاز بنایا۔ دوسرے اساتذہ تو صرف درس تک محدود رہتے تھے، لیکن حافظ ملت علیہ الرحمہ زندگیاں بناتے تھے، اسی لیے ان کی درس گاہ سے نکلنے والا ہر شاگرد ایک جیتی جاگتی درسی کتاب اور خدمتِ دین کا علمبردار بن کر نکلا۔

آج جب تعلیم کا مقصد صرف حصولِ معاش تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی سیرت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ "اصل تعلیم وہ ہے جو انسان کو انسان بنائے"۔ آپ کا تربیتی فلسفہ جدید دنیا کے لیے ایک مثالی ماڈل ہے جس میں؛علم، اخلاق، روحانیت، اور سماجی ذمہ داری کا حسین امتزاج موجود ہے۔ اگر موجودہ مدارس اور جامعات حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے اس ماڈل کو اپنائیں تو یقیناً نئی نسل میں نہ صرف علم کا ذوق بیدار ہوگا بلکہ اخلاق و خدمت کا جذبہ بھی پروان چڑھے گا۔

—*—*—*—

اللہ کے مقرب بندوں کی زندگی اس حقیقت کی عملی تفسیر ہوتی ہے کہ ایمان صرف لفظوں کا نہیں بلکہ اعمال اور استقامت کا نام ہے۔ یہ استقامت اُس وقت سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے جب انسان سہولیات سے محروم، بیماری میں مبتلا، یا آرام کے مواقع سے دور ہو، یہی وہ مواقع ہوتے ہیں جب ایمان کی اصل چمک ظاہر ہوتی ہے، اور یہی چمک ہمیں حافظِ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیاتِ طیبہ میں بدرجۂ اتم نظر آتی ہے۔

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی دینِ متین کی خدمت، علم نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اشاعت، اور سنیت کی آبیاری کے لیے وقف تھی۔ آپ کے اوقات درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تبلیغ و اصلاح، اور تربیت و تنظیم کے کاموں میں گزرتے۔ مسلسل محنت، قلیل آرام، اور غیر معمولی مشغولیت آخر کار آپ کے جسم نازنین کو بیماری کی طرف لے گئی، لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی بیماری آپ کے عزم و ارادہ کو مضمحل نہ کر سکی۔ ڈاکٹروں نے سختی سے آرام کا حکم دیا، مگر آپ کے لیے آرام کا مفہوم کچھ اور تھا، فرماتے تھے:

"آرام مجھے اس وقت ملتا ہے جب دل کو اطمینان ہو کہ کوئی طالبِ علم بغیر سبق کے واپس نہیں گیا، اور کوئی دینی ضرورت بغیر جواب کے نہیں رہی۔"

یہ جذبۂ خدمتِ دینِ متین آپ کے وجود کا سرمایہ اور آپ کی بیماری میں بھی قوت کا سرچشمہ تھا۔

جب بیماری نے شدت اختیار کی تو وہ لمحے اطاعت اور محبتِ الٰہی کے امتحان تھے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے نہ شکایت کی، نہ غم کا اظہار، بلکہ ہر تکلیف پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کیا۔ تلامذہ بیان کرتے ہیں کہ "جب بھی ہم تیمارداری کے لیے حاضر ہوتے تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا اور زبان پر الحمدللہ۔"

بیماری کی شدت میں اہلِ خاندان نے التجا کی کہ: "حضور! اس رمضان میں روزے چھوڑ دیجیے، بیماری بڑھ جائے گی، کمزوری لاحق ہو چکی ہے۔" مگر آپ نے فرمایا: **"زندگی اور صحت دونوں اللہ کی عطا ہیں۔ جب تک ہوش ہے، میں اس فرض کو ترک نہیں کروں گا۔"**

اس طرح آپ نے رمضان المبارک کے پورے مہینے میں ایک دن کا بھی روزہ قضا نہ کیا۔ بلکہ کمال تو یہ کہ اسی حالت میں تراویح میں قرآنِ کریم کا ختم بھی فرمایا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک عبادت صرف جسمانی عمل نہیں بلکہ روحانی عہد ہے، جو بیماری یا آرام سے مشروط نہیں بلکہ ایمان سے وابستہ ہے۔

حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ بیماری کے باوجود بھی نماز باجماعت کے لیے اہتمام کرتے، اگر کبھی ضعف کی شدت سے مسجد تک نہ جا سکتے تو مکان پر باجماعت نماز قائم فرماتے۔ فرائض کی ادائیگی میں اُن کی احتیاط اس قدر تھی کہ اگر کسی عمل کے ترک کا اندیشہ ہوتا تو آپ قلبی اضطراب محسوس کرتے۔ ان کی عبادت میں محض رسم نہیں بلکہ عشق و شعور تھا۔ جب کوئی شاگرد یہ کہتا کہ "حضور! کچھ دیر آرام فرمالیجیے۔" تو آپ فرماتے: "عبدالعزیز کا آرام عبادت میں ہے، غفلت میں نہیں۔"

یہی کیفیت دراصل عشقِ عبادت ، اس کیفیت میں بندہ جسمانی راحت کے مقابلے میں روحانی راحت کو ترجیح دیتا ہے۔ اور یہی وہ درجہ ہے جسے عرفانِ الٰہی کی منازل میں "عبادت فی المحبۃ" کہا جاتا ہے، یعنی وہ عبادت جو محض محبت کے جذبے سے ادا کی جائے، نہ کہ عادت یا مجبوری سے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اکثر فرمایا کرتے: **"جو بندہ بیماری میں عبادت کرتا ہے، وہ صحت میں بھی اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوتا ہے۔"**

آپ کی اس استقامت نے شاگردوں اور معتقدین پر گہرا اثر چھوڑا، وہ دیکھتے تھے کہ ایک بزرگ، جس کے جسم میں ضعف ہے، پھر بھی عبادت، تدریس اور خدمتِ دین سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ یہ منظر اُن کے دلوں میں ایک نئی روح پھونک دیتا۔

حافظِ ملت علیہ الرحمہ کا یہ طرزِ عمل دراصل اُس سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تسلسل تھا جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سخت بیماری کے باوجود عبادت اور امت کی خبرگیری جاری رکھی، اور فرمایا:

"الصلاةَ الصلاةَ وما ملكت أيمانكم." "نماز! نماز! اور اپنے ماتحتوں کے حقوق کا خیال رکھو۔"

حافظِ ملت علیہ الرحمہ اس پیغام کے عملی مظہر تھے۔ آپ نے بیماری میں بھی عبادت، روزہ، قرآن، اور خدمتِ دین کو ترک نہ کیا۔ اس ان کی سیرت اس حقیقت کا اعلان کرتی ہے کہ "بیماری بندگی کا عذر نہیں، بلکہ بندگی کا امتحان ہے"۔

اگر ہم حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی اس کیفیت کو روحانی تناظر میں دیکھیں تو یہ دراصل "رضائے الٰہی" کے مفہوم کی عملی تصویر ہے، جب بندہ اپنے رب کی رضا پر راضی ہو جائے تو جسم کی کمزوری بھی عبادت میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ یہ "مقامِ صبرِ جمیل" اور "موضعِ عبادتِ خالصہ" ہے، جہاں بندہ صرف خدا کے لیے جیتا اور عبادت کرتا ہے، خواہ حالات کیسے بھی ہوں۔

غرض حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ کا ہر پہلو امت کے لیے ایک زندہ سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان کی حیاتِ طیبہ سے حاصل ہونے والے درس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین (آمین)

■■■

تفہیم قرآن

نماز میں کن سورتوں کی تلاوت کی جائے؟

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

نماز تکبیر وتسبیح اور تلاوت قرآن کا نام ہے[1]، نماز میں کوئی بھی سورت پڑھی جائے فرض ادا ہوجائے گا، اور نماز درست ہوجائے گی، تاہم کچھ سورتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں کتب احادیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں ان سورتوں کی تلاوت فرمائی، بلکہ ان پر مداومت برتی، لہٰذا نماز میں ان سورتوں کی تلاوت کی جائے، اور ان کی قراءت کا معمول بنا جائے، تاکہ آپ کی یہ سنت متروکہ پھر سے زندہ ہوسکے۔ ہم یہاں پہلے ان سورتوں کے نام ذکر کریں گے، پھر ان سے متعلقہ احادیث پیش کریں گے۔

مختلف احادیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے نماز پنج گانہ اور جمعہ وعیدین وغیرہ میں درج ذیل سورتوں کی تلاوت فرمائی۔

1-سورۂ فاتحہ۔2-سورۂ بقرہ۔3-سورۂ آل عمران۔

4-سورۂ نساء۔ 5-سورۂ مائدہ۔6-سورۂ انعام۔

7-سورۂ اعراف۔8-سورۂ مؤمنون۔9-سورۂ الم سجدہ۔

10-سورۂ دخان۔11-سورۂ ق۔12-سورۂ ذاریات

13۔سورۂ قمر۔14-سورۂ جمعہ۔15-سورۂ منافقون۔

16-سورۂ دہر۔ 17- سورۂ مرسلات۔18 سورۂ تکویر۔

19-سورۂ اعلی۔20-سورۂ غاشیہ۔21- سورۂ والشمس۔

22- سورۂ لیل۔23- سورۂ تین۔24-سورۂ فلق۔

25-سورۂ ناس۔

اب ان سورتوں کے بارے میں احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

1-سورۂ مؤمنون

مسلم شریف میں حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا:

صلى لنا النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الصبح بمكة، فاستفتح سورة المؤمنين، حتى إذا جاء ذكر موسى هارون أو ذكر عيسى أخذت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سلعة فركع-[2]

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ شریف میں ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، نماز میں سورۂ مؤمنون کی تلاوت شروع کی، جب حضرت موسی وہارون یا حضرت عیسی علیہم الصلاۃ والسلام کے ذکر پر پہنچے تو کھانسی آگئی، تو آپ رکوع میں تشریف لے گئے۔

2-5 سورۂ الم السجدہ، سورۂ دہر، سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون

مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرمایا:

أن النبي ﷺ كان يقرأ في صلاة الفجر في الجمعة الٓمّٓ ۚتَنۡزِيۡلُ السجدة وهَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ، وأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يقرأ في صلاة الجمعة سورة الجمعة والمنافقين.[3]

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ الم السجدہ اور سورۂ دہر کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

6-سورۂ ق:

مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز میں قٓ. وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ کی تلاوت کیا کرتے تھے[4]۔ (یعنی آپ فجر میں سورۂ ق کی تلاوت کیا کرتے تھے) اس کے بعد آپ کی تلاوت مختصر ہوتی تھی۔

7-سورۂ تکویر:

مسلم شریف میں حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نماز فجر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وَالَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ۔ کی قراءت کرتے سنا[5]۔ یعنی آپ نے فجر میں سورۂ تکویر کی تلاوت فرمائی۔

8-سورۂ اعلیٰ:

مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى۔ کی تلاوت کرتے تھے[6]، فجر میں اس سے طویل قراءت کرتے تھے۔

9-سورۂ والشمس:

سنن ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشا میں وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰـهَا۔ اور اس جیسی سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے[7]۔

10-سورۂ واللیل

مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۔کی قراءت کرتے تھے[8]، عصر میں اسی کے مثل قراءت کرتے تھے، فجر میں اس سے طویل قراءت کرتے تھے۔

11-سورۂ طور:

بخاری شریف میں حضرت محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا:

سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قرأ في المغرب بالطور[9]

میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت کرتے سنا۔

12-سورۂ قمر

مسلم شریف میں حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد اللیثی سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں کیا پڑھا کرتے تھے، تو انھوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قٓ. وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ۔ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔[10]

13-سورۂ مرسلات

بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت ام الفضل نے ان کو سورۂ مرسلات کی تلاوت کرتے سنا تو فرمایا:

يا بني! والله لقد ذكرتني بقراءتك هذه السورة إنها لآخر ما سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرأ بها في المغرب[11].

اے میرے بیٹے! تم نے اس سورت کی تلاوت کر کے مجھے یاد دلا دیا کہ یہی وہ آخری سورت ہے جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں پڑھتے سنا۔

14-سورۂ انشقاق:

بخاری شریف میں حضرت بکر بن ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کے ساتھ نماز عشا ادا کی، تو آپ نے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ یعنی سورۂ انشقاق کی تلاوت کی، اور آیت سجدہ پہ سجدہ کیا، تو میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:--- (باقی ص:35 پر)

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین — سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

مفتی محمد نظام الدین رضوی

صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کے بارے میں اہل سنت وجماعت کا عقیدہ

سوال: کچھ لوگ صرف اہل بیت کو مانتے ہیں اور صحابۂ کرام کو نہیں مانتے یا ان میں سے کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے، تو ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیے؟

الجواب الملفوظ: ہمارا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ حضرات اہل بیت کرام اور حضرات صحابہ کرام دونوں سید البشر، افضل المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یافتہ اور خیار امت سے ہیں اور دونوں ہی اہل جنت واہل بہشت ہیں۔ ہاں! اہل بیت کو قرابت رسول کی وجہ سے خاص فضیلت حاصل ہے، جس کا ذکر قرآن حکیم کی آیات اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادات میں ہے۔ ہم اہل حق اہل سنت وجماعت اہل بیت کے لیے یہ فضیلت خاصہ مانتے اور صحابہ واہل بیت دونوں سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ جو اہل بیت کو مانے اور صحابہ کو نہ مانے وہ اہل سنت وجماعت سے نہیں۔ اہل سنت ان کی طرف توجہ نہ کریں اور مسلک اہل سنت وجماعت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرات اہل بیت کرام بھی صحابی ہیں اور جتنے بھی صحابہ کرام ہیں وہ سب کے سب ساری امت سے افضل وبہتر ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) -أكرموا أصحابي؛ فإنهم خياركم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يظهر الكذب. (المصنف لعبد الرزاق الصنعاني، ج:10، ص:362، كتاب الجامع/ باب لزوم الجماعة، رقم الحديث: 21787، ط: دار التاصيل، القاهرة)

ترجمہ: میرے صحابہ کی تعظیم کرو؛ کیوں کہ وہ تم میں سب سے افضل وبہتر ہیں، ان کے بعد وہ لوگ افضل ہیں جو ان کے بعد ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں۔ اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا۔

(2)- سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

خيرُ أمتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم إن بعدهم قوما يَشهَدون ولا يُستشهَدُون ويخونون ولا يؤتمنون و ينذرون ولا يفون، يظهر فيهم السمن. (صحيح البخاری، ج:1، ص:515، كتاب المناقب/ باب فضائل أصحاب النبي ﷺ، مجلس البركات، مبارك فور)

ترجمہ: میری امت میں سب سے افضل اور سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں یعنی صحابہ کرام، پھر وہ لوگ سب سے افضل ہیں جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر ان کے بعد وہ لوگ آئیں گے جو شہادت دیں گے حالاں کہ انھیں شاہد نہ بنایا جائے گا، وہ خیانت کریں گے، امانت دار نہیں ہوں گے، منت مانیں گے اور اسے پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(3)- ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تسبوا أصحابي، فلو أن أحدكم أنفق مثل أُحُدٍ ذهبا ما بلغ مُدَّ أحدهم ولا نصيفه. (وفي رواية عند ابن العربي المالكي رحمه الله تعالىٰ: مثل أحد ذهبا كل يوم)- (صحيح البخاری، ج:1، ص:518،

كتاب المناقب/ باب قول النبي ﷺ: لو كنت متخذًا خليلًا، مجلس البركات، مبارك فور)

ترجمہ: میرے صحابہ کی شان میں بے ادبی نہ کرو؛ کیوں کہ اگر تم میں سے کوئی "اُحُد پہاڑ" کے برابر سونا بھی روزانہ راہ خدا میں خرچ کرے، تو ان کے کسی صحابی نے ایک کلو یا آدھا کلو جَو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا، تو یہ "اُحُد پہاڑ" کے برابر سونا ان کے ایک کلو اور اس آدھا کلو جَو کے برابر نہیں ہو پائے گا۔

چار مُد کا ایک صاع ہوتا ہے اور ایک صاع چار کلو چورانوے گرام کا، تو ایک مد 5ء1023 گرام کا ہوا، صاع اور مُد دونوں عہد نبوی کے چھوٹے بڑے دو پیمانے ہیں۔ میں نے بیان میں آسانی کے لیے ایک مُد کے مقابل ایک کلو کہا اور نصف مُد کے مقابل آدھا کلو کہا۔

اُحُد مدینہ منورہ سے قریب ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو بہت سے پہاڑوں کا مجموعہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حدیث شریف میں اُحُد سے مراد پورا پہاڑی سلسلہ ہے جس کو عرف میں اُحُد کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے وہ ہزاراں ہزار بلکہ بے شمار ٹن کا ہوگا اور اتنے ٹن سونے کے صدقے کا ثواب یقیناً بے شمار ہوگا، مگر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی صحبت کی یہ برکت ہے کہ کسی صحابی نے اگر آدھا کلو جَو بھی اسلام کی آبیاری کے لیے صرف کیا تو اس کا ثواب اور اس کا مرتبہ ہزارہا ہزار بے شمار وزن کے سونے کے صدقے سے بھی زیادہ ہوگا۔ یہ فضیلت تمام صحابۂ کرام کے لیے ہے، جس میں اہل بیت نبوت بھی شامل ہیں۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ (القرآن الحكيم، سورة الحديد: ٥٧، الآية: ١٠)

ترجمہ: تم میں برابر نہیں وہ جنھوں نے فتحِ مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں اُن سے بڑے ہیں جنھوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا، اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا، اور اللہ کو تمھارے کاموں کی خبر ہے۔ (کنز الایمان)

تو جب قرآن کہتا ہے سارے صحابہ جنتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سارے صحابہ تم میں سب سے افضل ہیں اور حضور کا یہ بھی فرمان ہے کہ آدھا کلو جَو تمھارے اُحُد پہاڑ کے برابر سونے کے صدقے سے بھی بہتر ہے، تو ان کے بارے میں اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ لوگ تمام امت میں سب سے افضل ہیں، انھیں کے ذریعے ہم کو اسلام کے احکام پہنچے ہیں، ان کا ہمارے اوپر بڑا احسان ہے، اس لیے ہم ان کے احسان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کا ادب کرتے ہیں ان کی تعظیم کرتے ہیں ان کو جنتی مانتے ہیں۔ اور یہ اعتقاد حضرات اہل بیت کرام کے لیے بھی رکھتے ہیں جو ان فضائل کے سوا کچھ خصوصی فضائل سے بھی اعزاز یافتہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

"موسم خراب ہے" کہنے کا حکم

سوال: جب بارش ہوتی ہے تو عام طور سے لوگ یہ بول دیتے ہیں کہ موسم خراب ہے تو کیا اس لفظ کا بولنا کہ "موسم خراب ہے"، شریعت میں کوئی اس کی گرفت تو نہیں ہے۔ عام طور سے ہم لوگوں کے طرف خوب بولا جاتا ہے بارش ہوتی ہے خاص کر جب دو تین دن بارش ہو جاتی ہے تو اور بھی لوگ زیادہ ہی بولتے ہیں کہ دو تین دن سے موسم بہت خراب ہے۔

الجواب الملفوظ: عموماً جو بارش ہوتی ہے وہ بارشِ رحمت ہوتی ہے، جو اللہ کے فضل سے زمین پر نازل ہوتی ہے۔ اسے غیث اور برکت بھی کہا جاتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں ہے:

مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ. رواه الإمامان البخاري ومسلم عن زيد بن خالد الجهني رضي الله تعالىٰ عنه. (صحيح البخاري، ج:1، ص:25، كتاب الأذان/ باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم، مجلس البركات، مباركفور، الصحيح مسلم، ج:1، ص:59، كتاب الإيمان/ باب بيان كفر من قال: مطرنا بالنوء، مجلس البركات، مبارك فور)

ترجمہ: ہم پر اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی۔

اس کو خراب کہنا مناسب نہیں، اس سے احتراز کیا جائے تو اچھا ہے۔ ہاں! اگر بارش، بارشِ رحمت نہ ہو، اس کے ذریعے کوئی خطرناک سیلاب آجائے جو آبادیوں کو بہالے جائے، کھیتیوں کو برباد کر دے، اس کے لیے کوئی اس طرح کا لفظ بولے تو یہ موافق حالات کہا جا سکتا ہے۔ لوگ بولتے ہیں، اس پر پابندی تو نہیں لگائی جا سکتی ہے، اصلاح کی جا سکتی ہے کہ اس سے بچیں تو اچھا ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم. ▪▪▪

فکر امروز

اسلامی تصورات اور مغربی اصطلاحات

ایک فکری جائزہ

محمد فداء المصطفیٰ قادری

آج کا انسان ایک ایسے فکری اور تہذیبی موڑ پر کھڑا ہے جہاں اسے اپنے ماضی کی جڑوں سے وابستگی بھی درکار ہے اور حال کی روشنی میں آگے بڑھنے کی ضرورت بھی۔ خاص طور پر اسلامی دنیا میں ایک نیا رجحان ابھرتا دکھائی دے رہا ہے کہ اسلامی عقائد و نظریات کو عصرِ حاضر کی زبان اور اصطلاحات میں بیان کیا جائے۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کو جدید ذہن اور ترقی یافتہ نسل کے سامنے ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ اس کی ابدیت، ہمہ گیری اور حقانیت واضح ہو سکے۔ یہ مطالبہ نہ صرف فرداً افراد کی جانب سے سامنے آیا بلکہ مختلف علمی انجمنوں، فکری تحریکوں اور اصلاحی اداروں نے بھی اس کی تائید کی۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اسلام چونکہ ایک دائمی اور ہمہ وقتی نظامِ حیات ہے، اس لیے یہ لازم ہے کہ اس کو ہر دور کی فکری زبان میں ڈھالا جائے تاکہ وہ نسل جو سائنس، ٹیکنالوجی، عمرانیات، نفسیات اور فلسفہ جیسے جدید علوم کی آغوش میں پروان چڑھی ہے، وہ اسلام سے بیگانہ نہ ہو جائے۔

اس رجحان کے محرکین میں وہ لوگ پیش پیش تھے جنھوں نے مغربی نظامِ تعلیم کے سائے میں پرورش پائی یا مغرب کی ظاہری چمک دمک سے مرعوب ہوئے، لیکن اپنے قلب و روح میں اسلام کی روشنی بجھنے نہ دی۔ بعد ازاں یہ رجحان اس قدر طاقتور ثابت ہوا کہ خالص دینی تعلیم یافتہ افراد بھی بعض اوقات اس کی لپیٹ میں آ گئے اور انجانے میں وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرنے لگے جن کی گہرائی، تاریخی سیاق و سباق اور مفہوم سے وہ مکمل طور پر واقف نہ تھے۔

مغربی اصطلاحات کو براہِ راست اردو میں منتقل کرنے کا عمل تو کسی حد تک قابلِ فہم ہے، لیکن زیادہ خطرناک وہ اصطلاحات ہیں جو پہلے سے ہمارے علمی ذخیرے کا حصہ تھیں، اور مغرب کے فکری اثرات کے باعث ان کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا۔ مثلاً ”سیکولرزم“، ”جمہوریت“، ”آزادی“ اور ”حقِ رائے دہی“ جیسے الفاظ جب اسلامی تناظر سے ہٹ کر مغربی نظریات کی روشنی میں بیان کیے جانے لگے، تو ان کے نتائج نہایت پیچیدہ اور فکری انتشار کا باعث بنے۔ بعض مفکرین اپنی رائے کو وزنی بنانے کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا حوالہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ شاہ صاحب ایک مجدد، مصلح اور صاحبِ بصیرت عالم تھے، مگر ان کا اندازِ فکر کبھی اسلامی اساسات سے ہٹ کر نہیں تھا۔ وہ جہاں عقل کو جگہ دیتے ہیں، وہیں وحی کو اساس قرار دیتے ہیں۔ اُن کے یہاں مغرب سے مرعوبیت نہیں بلکہ دین کی جامعیت کا شعور پایا جاتا ہے۔

آج کا المیہ یہ ہے کہ کچھ اہلِ علم صرف اس لیے مغربی اصطلاحات کو اپناتے ہیں تاکہ انھیں ”عقلی“، ”جدید“ اور ”ماڈرن“ ظاہر کیا جا سکے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر اصطلاح اپنے پسِ منظر، تہذیبی ماحول اور فکری ڈھانچے کے ساتھ آتی ہے۔ جب ہم ان اصطلاحات کو اپنے دینی نظریات پر چسپاں کرتے ہیں تو نہ صرف مفہوم کا توازن بگڑتا ہے بلکہ دین کی سچائی

fidaulmusthafa938@gmail.com

اور روحانیت بھی متاثر ہوتی ہے۔ اسلام کسی بھی دور کی زبان کو استعمال کرنے سے منع نہیں کرتا، مگر شرط یہ ہے کہ بیان کا انداز اسلامی ہو، فکر اسلامی ہو، اور بنیاد قرآن وسنت پر ہو۔ ہمیں اسلامی تصورات کو جدید انداز میں بیان کرنے سے انکار نہیں، لیکن اسلامی بنیادوں کو مغربی اصولوں پر قربان کرنا نہ صرف ناعاقبت اندیشی ہے بلکہ فکری غلامی کی بدترین مثال بھی۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ:

اسلامی اصطلاحات کا مفہوم واضح کیا جائے اور انھیں نئے مفہوم میں بدلنے سے اجتناب کیا جائے۔ مغربی اصطلاحات کو قبول کرنے سے پہلے ان کے فکری اور نظریاتی پس منظر کا جائزہ لیا جائے۔ اسلامی افکار کو جدید سائنسی اور عمرانی زبان میں بیان کرتے ہوئے اسلامی بنیادوں کو محفوظ رکھا جائے۔ نئی نسل کو اسلام کے خالص، متوازن اور ہمہ گیر پیغام سے روشناس کرایا جائے تاکہ وہ مغرب زدہ نظریات کی اندھی تقلید سے بچ سکیں۔ اسلام کی روشنی ہر زمانے میں چمکتی رہی ہے اور آئندہ بھی چمکتی رہے گی، شرط صرف اتنی ہے کہ ہم اس نور کو مغرب کے رنگین شیشوں سے دیکھنے کے بجائے خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی ہمت کریں۔

انیسویں صدی کا یورپ آزاد خیالی کے نشے میں اس حد تک مدہوش ہو چکا تھا کہ اس کے لئے مذہب، خدا، اور بدی جیسے بنیادی تصورات ایک بوجھ محسوس ہونے لگے۔ خاص طور پر "بدی" کا عیسوی عقیدہ تو اسے ایسا ناگوار گزرا کہ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس لفظ ہی کو لغت سے نکال پھینک دینا چاہتے ہوں۔ اسی پس منظر پر طنز کرتے ہوئے عظیم مفکر جی کے چیسٹرٹن نے کیا خوب کہا تھا:

"بدی کے وجود سے انکار وہی شخص کرتا ہے جس نے زندگی میں کبھی کوئی بدی کی ہو ہی نہ، وہ نیکی کی معصومیت میں ڈوبا ہوا شخص ہوتا ہے جسے بدی کی کڑواہٹ کا ذائقہ تک معلوم نہیں۔"

بالکل یہی معاملہ ان حضرات کا بھی ہے جو اسلامی علوم کو "جدید" بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی مغرب شناسی کا حال یہ ہے کہ وہ مغربی معاشرے کے ریفریجریٹر اور مائیکروویو تک تو پہنچے ہیں، لیکن ان سائنسی ایجادات کے پیچھے جو فکری بنیادیں تھیں، ان کی ناپائیداری سے بالکل ناآشنا ہیں۔ انھیں اندازہ نہیں کہ مغرب کے وہی یقینی سمجھے جانے والے علوم کس قدر غیر یقینی ہو چکے ہیں۔ کل جو نظریہ حرفِ آخر سمجھا جا رہا تھا، آج وہ محض ایک فریب نظر ثابت ہو چکا ہے۔

یہ بات کوئی سطحی الزام نہیں، بلکہ معروف فرانسیسی مفکر پال والیری تیس سال پہلے ہی اس زوال کی پیشین گوئی کر چکے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ سائنس اپنی چمک دار ایجادوں کے پیچھے ایک ایسا فکری دھواں چھوڑ گئی ہے جس سے نہ نظریہ صاف دکھائی دیتا ہے، نہ اس کا ماخذ۔ جہاں تک کائنات کی حقیقت اور انسانی زندگی کے بنیادی سوالات کا تعلق ہے، وہاں تو علم و فکر کا جہاز مکمل دھند میں پرواز کر رہا ہے۔ نہ کوئی متفقہ معیار ہے، نہ سننے کا ظرف۔ ہر کوئی اپنی فکری دنیا میں قید، اپنی ہی بات دہرا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مغربی علمی دنیا ایک شور زدہ ہسپتال کا منظر پیش کرتی ہے۔ ایک ایسا پاگل خانہ جہاں ہر فرد چیخ رہا ہے، مگر کسی کی کسی پر سماعت نہیں۔ یہ کوئی تخیلاتی منظر نہیں، بلکہ ٹی ایس ایلیٹ اور ژاں پال سارتر جیسے فلاسفہ بھی بارہا اس فکری انتشار پر آہ و بکا کر چکے ہیں۔ سارتر نے تو یہاں تک کہا کہ جب جرمنوں نے فرانس پر قبضہ کیا تو کچھ مغربی مفکرین نے انقلاب کی تعریف ہی بدل ڈالی: انقلاب کا مطلب انہوں نے بتایا: چیزوں کو جوں کا توں قائم رکھنا!

یہ مغرب کی علمی روش ہے، جہاں الفاظ سے کھیلنا اور معانی کو مسخ کرنا ترقی کی علامت بن چکا ہے۔ آج وہاں یہ حال ہے کہ سائنسی نظریات الفاظ کے بجائے علامات سے بیان کیے جا رہے ہیں، اور کل کو ممکن ہے کہ علم کا پورا نظام الفاظ کے استعمال

کو ہی بیکار قرار دے دے۔ یہ زوال در زوال ہے، فکری انحطاط کا وہ مرحلہ جسے ترقی کا نام دے دیا گیا ہے۔ ایسے میں اگر کوئی یہ چاہے کہ اسلامی علوم کو انہی متزلزل اصطلاحات کے پرفریب پردے میں پیش کیا جائے، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی پاکیزہ چشمے میں زہر گھولا جائے نہ صرف ذائقہ بدلے گا، بلکہ سارا وجود زہر آلود ہو جائے گا۔ اسلام کے علمی سرمائے کی خوبصورتی اس کی فکری یکسانی، روحانی گہرائی، اور اخلاقی وضاحت میں ہے۔ ہمیں اگر زمانے سے ہم آہنگ ہونا ہے تو زمانے کو اسلام کے قریب لانا ہوگا، نہ کہ اسلام کو مغرب کی لچر زبان اور غیر یقینی افکار کی نذر کر دینا۔

یہ خواب جسے ہمارے کچھ معصوم مفکرین آج تعبیر کرنا چاہتے ہیں، کوئی نیا خواب نہیں ہے یہ خواب تو ایچ جی ویلز ساٹھ برس پہلے دیکھ چکا تھا۔ یعنی اسلامی علوم کو جدید علوم کے لباس میں ڈھالنے کا خواب۔ مگر کیا ہر لباس ہر جسم پر فٹ بیٹھتا ہے؟ نہیں! اور خاص طور پر جب بات روحانی اور فکری قدروں کی ہو تو پھر انتخاب لباس نہیں، بلکہ تحفظِ شناخت مقدم ہوتا ہے۔

مغرب میں الفاظ کے معنی اگر دھندلے ہو چکے ہیں، تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ ان کے خیالات بھی اتنے ہی مبہم ہو چکے ہیں۔ مگر اسلام میں معاملہ مختلف ہے۔ اسلام میں عقیدہ کوئی فکری دھواں یا جذباتی کیفیت نہیں، بلکہ ایک روشن، واضح اور متعیّن حقیقت ہے۔ اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے جو اصطلاحات صدیوں میں وضع کی گئیں، وہ کوئی لغوی کھلونا نہیں بلکہ گہرے فکری، دینی اور روحانی تجربات کی آئینہ دار ہیں۔

یہ اصطلاحات اور ان کے مفاہیم لازم و ملزوم ہیں۔ اگر انھیں جدا کیا جائے، یا ان میں مغربی تصورات کی آمیزش کی جائے، تو نہ صرف مفہوم مسخ ہوگا بلکہ اسلامی عقیدہ اپنی اصل صورت کھو دے گا۔ یہ بات محض جذباتی تحفظ نہیں، بلکہ ایک اصولی تضاد ہے۔

اسلامی اور مغربی علوم میں اتنا بنیادی اختلاف ہے کہ ان دونوں کو جوڑنے کی ہر کوشش بے نتیجہ رہے گی۔ اگر کسی کو مغربی علوم پر مکمل بھروسا ہے تو وہ اسلامی فکر کو رد کر سکتا ہے، لیکن یہ ہرگز ممکن نہیں کہ اسلام کو مغرب کی فکری ترازو میں تولا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو وہ اسلامی علم نہیں رہے گا، صرف ایک نیا اور مغلوب نظریہ بن کر رہ جائے گا۔

ذرا ایک سادہ مثال لیجیے:

◘ "حیات" (زندگی) یہ لفظ اسلامی علوم میں جو معنویت رکھتا ہے، وہ مغربی سائنسی تناظر میں موجود ہی نہیں۔ وہاں زندگی صرف خلیات کی حرکت ہے، یہاں روح کا ادراک!

◘ اسی طرح مغرب میں آج کا مقبول لفظ "نیچر" (فطرت) اس کا جو مطلب وہاں موجود ہے، اس کا کوئی صحیح مترادف مشرقی زبانوں میں نہیں، کیونکہ مغربی مفہوم خود اپنے اندر ایک مخصوص لادینی پس منظر لیے ہوئے ہے۔

یہ حضرات، جو اپنے اخلاص میں اسلام کو دورِ جدید سے ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں، ان کی نیت سے انکار نہیں۔ لیکن وہ ذرائع اور اصطلاحات جو وہ استعمال کر رہے ہیں، وہ نہایت خطرناک ہیں۔ وہ نادانستہ طور پر اسلامی عقائد کو تحلیل کر دینے والے خندق کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر انھیں مغربی اصطلاحات پر اتنا ہی بھروسا ہے، تو کم از کم ان کی بنیاد اور حقیقت کو تو اچھی طرح جان لیں!

آج جب ہر چیز مشکوک ہو چکی ہے، تو اسلامی علوم کی یہی روایتی اصطلاحات وہ واحد چراغ ہیں جن پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ انھیں چھوڑ کر، ہم اس فکری اندھیرے میں قدم رکھیں گے جہاں نہ اسلام باقی رہے گا، نہ یقین۔

◘◘◘

شعاعیں

تحفظ ختم نبوت

---------------از: مبارک حسین مصباحی---------------

علماو مشائخ کی خدمت میں۔۔۔چند گزارشات۔۔۔!

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ حق و باطل کی جنگ روز ازل سے روز ابد تک جاری و ساری رہے گی۔ اللہ تعالی کے پہلے پیغمبر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر پیغمبر آخر الزماں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک احقاق حق اور ابطال باطل کے مناظر پر قرآن کریم فرقان حمید شاہد و ناطق ہے۔ پیغمبر آخر الزماں حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی حق و باطل کی جنگ جاری و ساری ہے۔ حتیٰ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک ہی سے کذابوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ان کذابوں کی ایسی سرکوبی فرمائی کہ ان کے مکروہ عزائم خاک میں مل کر رہ گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بعد تابعین، پھر تبع تابعین اور ان کے بعد سلف صالحین نے عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ برصغیر کا خطہ فتنوں کی آماجگاہ ثابت ہوا۔ ان فتنوں میں مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کا فتنہ "فتنۂ عظیمہ" بن کر سامنے آیا۔ اس فتنہ کے تعاقب میں بھی ہمارے علماو مشائخ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ اگرچہ مرزا خوب ذلیل ورسوا ہوا لیکن یہ فتنہ مکمل ختم نہ ہو سکا۔ مرزا آنجہانی کی ذریت نے اس فتنہ کی خوب آب یاری کی۔ انھیں یہود و نصاریٰ کی مکمل پشت پناہی بھی ہر دور میں حاصل رہی ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ، علماو مشائخ اس فتنہ کے تعاقب میں آج بھی مصروف عمل ہیں۔ مملکت خداداد پاکستان میں تحریک ختم نبوت 1953ء اور تحریک ختم نبوت 1974ء میں ہمارے علماو مشائخ نے جس تندہی سے اپنا مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا۔ آج پھر اسی تگ و تاز کی ضرورت ہے۔ ہر محاذ پر اس فتنہ کا رد بلیغ ہونا چاہیے۔ ہمارے علماو مشائخ، خطباء، ادباء، شعراء اور سیاست دانوں کو اپنی بیداری کا ثبوت دینا چاہیے۔ الحمد للہ! ہمارے صحافتی محاذ پر اس فتنہ خبیثہ کے تعاقب میں کچھ عرصے سے تیزی دیکھنے میں آئی ہے۔ شیران اسلام پاکستان کے ترجمان مجلہ "الحقیقہ" کا "تحفظ ختم نبوت نمبر" دو جلدوں میں سامنے آ چکا ہے، تیسری جلد پر کام جاری ہے۔ لاہور سے سہ ماہی "المنتہیٰ" ختم نبوت کے حوالے سے مصروف ہے۔ ختم نبوت فورم کے زیر اہتمام ماہ نامہ مجلہ "الخاتم" انٹرنیشنل بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک حسین کڑی ہے۔ یہ رسالہ "تحفظ ختم نبوت" کے وقف ہے۔ اس میں محافظین ختم نبوت کے تذکار بھی شامل ہوں گے اور یہ کذابوں کے خلاف برسرپیکار بھی رہے گا۔ اس میں اہل سنت کی ان تمام نگارشات کو جگہ دی جائے گی جن کا تعلق عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ یا محافظین ختم نبوت کی خدمات جلیلہ سے ہوگا۔ اس موضوع سے متعلقہ کتابوں پر تبصرہ بھی شامل ہوگا۔ "الخاتم" کے حوالے سے آپ کی آراء بھی رسالہ کی زینت بنائی جائیں گی۔ چوں کہ یہ رسالہ انٹرنیشنل سطح پر مطلع صحافت پر طلوع ہو رہا ہے اس لیے دنیا کے کسی بھی کونے سے ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے رد میں جاری سرگرمیوں کو اس میں شامل کیا جائے گا۔ آپ کی خدمت میں ہم گزارشات پیش کرتے ہیں کہ یہ آپ کا اپنا رسالہ ہے۔ آگے

بڑھیں اور ہماری سرپرستی فرمائیں۔ اس کی اشاعت کو عام کرنے میں اپنا تعاون فرمائیں۔ اپنی نگارشات عطا فرمائیں، اپنی آراء سے ہمیں نوازیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم سب کو عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت احسن انداز میں کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین! بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ و ذریۃً واولیاء امتہ و علما ملۃ اجمعین۔

ع۔ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری۔۔۔

سید صابر حسین شاہ بخاری قادری غفرلہ

(سرپرست اعلیٰ ماہ نامہ مجلّہ الخاتم انٹرنیشنل)

محترم المقام حضرت سید شاہ صابر حسین بخاری قادری دامت برکاتہم القدسیہ و حضرت علامہ سید مبشر رضا قادری دامت براکاتہم العالیہ و دیگر متعلق حضرات اسلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ!!!

آپ حضرات نے اس شر انگیز دور میں مسئلہ ختم نبوت کے تعلق سے جو گرانقدر تحریریں اور ناقابل فراموش خصوصی نمبر شائع کیے ہیں حق یہ کہ بڑی حد تک ماضی کی یادوں کو دہرادیا۔ عالمی سطح پر فتنہ قادیانیت میں شر انگیزی کے ساتھ گھروں، دکانوں اور درسگاہوں و خانقاہوں کو متاثر کر رہی ہے۔ آپ حضرات نے اپنے اور دیگر ممالک کے قلم کاروں کو ساتھ لے کر فتنۂ قادنیت کے نام نشان مٹانے کی کامیاب کاوش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل بے پناہ جزاؤں سے سرفراز فرمائے گا۔ آپ اور پوری دنیا کے اہل سنت وجماعت بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن عظیم اور احادیث نبویہ کے اندر بے شمار مقامات پر ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی ہونے کا ذکر فرمایا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»

ترجمہ: میں آخری نبی میں ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ کسی مدعی نبوت سے دلیل طلب کرنا بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

ترجمہ: محمد تمھارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ عہد رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھی بعض ..... مدعیان نبوت نے اپنی نبوت کا باطل دعوہ کیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے بے پناہ افسوس کیا اور اسے سمجھانے کے لیے دحیہ کلبی بھیجا مگر اس خبیث مردود نے نہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات مانی اور نہ تشریف لے جانے والے پیارے صحابی رسول کی بات کو تسلیم کیا۔

اسی طرح اور بھی باطل مدعیان نبوت اپنے اپنے دور میں پیدا ہوتے رہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار کی شانوں میں گستاخیاں کرتے رہے۔ اللہ کا فضل وکرم ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عاشقوں نے ان گمراہ اور باطل پرستوں کو جہنم رسید کیا۔ اس کی عہد رسالت سے لے کر آج تک بے شمار مثالیں ہیں۔ بعض ان میں اپنی نالائقی، بدبختی اور بدتمیزیوں

کی وجہ سے بروقت جہنم رسید تو نہیں ہوسکے مگر ان کے ماننے والے روئے زمین کے کسی کونے میں نظر نہیں آتے۔

نوٹ(۱)-شخصیت کوئی بھی ہو، وہ اپنے ارد گرد کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ شاعر کے کلام میں اس کے عہد کے مسائل کی جانب اشارات و کنایات جابجا بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، مصنف کی کتابیں حالات و کوائف کی تصویر کشی کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور خدمت انسانیت کے جذبات سے سرشار دیوانے کی تحریک اجتماعی حالات کی سرگوشی کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، تو مقام حیرت و تعجب نہیں کہ یہ عین انسانی فطرت ہے۔

ویسے تو کوئی بھی تحریک ہو، اس کے پیچھے بظاہر قائد تحریک کی فعال و متحرک شخصیت سامنے ہوتی ہے، لیکن وہ سارے معاملات تن تنہا طے نہیں کرتا، بلکہ اپنے دور کے دیگر حضرات کی خدمات سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ عقیدت کیشوں، وفاشعاروں اور رضا کاروں کے سہارے ترقی کے منازل طے کرتا ہے، تاہم تحریک احمدی کی تمام تر سرگرمیاں ایک شخص کے ارد گرد گھومتی دکھائی دیتی ہیں، اور وہ ہے مرزا غلام احمد قادیانی۔ لہٰذا متذکرہ تحریک سے اچھی طرح واقفیت کے لیے نہایت ہی ضروری ہے کہ ہم بانئ تحریک کے عہد میں سیاسی، سماجی اور دینی حالات و کوائف سے کسی حد تک متعارف ہو جائیں، تاکہ احمدی جماعت کے ظہور پذیر ہونے کے پس پردہ عوامل وعناصر، اسباب وعلل اور مقاصد و اہداف تک رسائی ہو سکے۔

سیاسی حالات: ۱۵۹۹ء میں برطانوی سرزمین British East Indies Company کے نام سے چند تجارت پیشہ افراد نے ایک کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ ادھر چند سالوں سے Spice Islands میں پرتگال کی تجارتی سرگرمیاں زوال پذیر تھیں اور جزیرے میں ڈچ قوم نے بھی تجارتی مقاصد کے لیے اپنے ہاتھ بڑھانے شروع کر دیے تھے، تاکہ علاقے میں کسی بھی طرح کی برطانوی پیش قدمی رو کی جا سکے۔ دوسری جانب برطانیہ کو ہندوستانی مسالے، انڈیگو، سوت، نمک اور ریشم وغیرہ کسی تیسرے ذرائع حاصل کرنے پر تین گنی قیمت دینی پڑتی۔ (British Rule in India: Harriet Meatineau, Page:31)

شہنشاہ جلال الدین اکبر کے دور حکومت میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستانی سرزمین پر تجارتی مرکز کھولنے کی کوشش شروع کی تاکہ ہندوستانی مصنوعات براہ راست خریدی جا سکے، تاہم کامیابی نہ مل سکی۔ ۲۴/ اکتوبر ۱۶۰۵ء میں اکبر کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشیں ہوا۔ ابتدائی دور میں جہانگیر کو اپنے بیٹے خسرو کی مسلح بغاوت کا سامنا کرنا پڑا، جس نے اپنی حمایت میں ہزاروں افراد ساتھ ملا لیے تھے۔ جلد ہی جہانگیر نے اس فتنہ پر قابو پالیا اور خسرو پابہ زنجیر اپنے والد کی بارگاہ میں حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے خسرو کے تقریباً ۲۰۰۰/ حمایتیوں کو قتل کروادیا اور بیٹے کی بینائی سلب کروالی۔ بہر کیف، جہانگیر نے اپنے والد جلال الدین اکبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملک پر اپنی گرفت بہت مضبوط کرلی۔

اسی دوران ایسٹ انڈیا کمپنی نے بادشاہ سے ہندوستانی ساحلی شہروں میں اپنے مراکز کھولنے کی اجازت حاصل کرلی۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے سورت، احمد آباد اور گوا میں کارخانے قائم کر لیے۔ سیاسی پس منظر میں یہ برطانیہ کے لیے بہت بڑی کامیابی تھی۔ کمپنی کے ذریعہ ہندوستانی معاملات سے آگہی نہایت ہی آسان ہوگئی، جو ضرورت کے پیش نظر گاہے بگاہے، براہ راست مداخلت کے لیے معین و مددگار ثابت ہوئی۔

اس لیے کمپنی اور اس کے ذمہ داروں کے تحفظ کے لیے چند مسلح محافظ رکھے گئے، جن کی تعداد کمپنی کے دائرہ اثر کے

بڑھنے کے ساتھ ساتھ، بڑھتی رہی اور ڈھائی لاکھ تک جا پہنچی۔ پلاسی کی جنگ بہترین مثال کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ جس میں بنگال کے نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر کمپنی نے بنگال کے چوبیس پرگنہ اپنے تصرف میں لے لیے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی در پردہ علاقائی نوابوں اور مہارا جاؤں کو مرکزی حکومت سے بغاوت کرنے پر آمادہ کرتی رہی، جس کے نتیجے میں کئی ریاستوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ علاقے بظاہر خود مختار تھے، تاہم حقیقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے رحم و کرم پر رہے۔ دوسری طرف مقامی حکومتیں اپنے مفاد کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی سے اجرت پر فوجی مدد طلب کرتیں اور معاوضے کی صورت میں اچھی خاصی موٹی رقم کھو بیٹھتیں، اس طرح رفتہ رفتہ پورے ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے قبضہ کر لیا۔

۱۸۵۷ء تک ملک ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر تصرف رہا اور ملک کے تمام معاملات کمپنی کے ذمہ داران ہی طے کرتے رہے، تاہم ۱۸۵۸ء میں ملکہ برطانیہ نے پورے ہندوستان کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور وہیں سے اپنے متعیّن کردہ ذمہ داروں کے ذریعہ داخلی و بیرونی معاملات طے کیے جاتے رہے۔ ملک میں دو طرح کے حصے بنائے گئے، پہلے حصے میں ایسے علاقے شامل تھے، جنھیں British India کے نام سے موسوم کیا گیا اور دوسرے حصے Princly States کہلائے۔ پہلے حصے میں وہ علاقے تھے، جس پر ملکہ برطانیہ کی براہ راست حکومت تھی، وہ ان کے لیے گورنر جنرل یا کوئی بھی عہدہ دار متعیّن کرتیں، جو وہاں کے معاملات کی نگرانی کرتا، جب کہ دوسرے حصے میں کسی نامزد ہندوستانی حکمراں کے ذریعہ سیاسی معاملات طے کیے جاتے تھے۔ بہر کیف، دونوں طرح کے حصوں میں ہندوستانیوں کو ثانوی درجہ حاصل تھا، سارے اہم فیصلے ملکہ برطانیہ کی مرضی سے ہوتے اور ہندوستانی محض آلہ کار کی حیثیت سے شب و روز احکامات کی بجا آوری میں لگے رہتے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی: پلاسی کی جنگ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی فتح دراصل عہد غلامی کی ابتداء ہے۔ نواب سراج الدولہ سے لوگ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی سر پرستی سے محرومی کے نتیجے میں برطانوی ظلم و زیادتی سے کبھی نالاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پلاسی کے میدان میں لوگ ہر سال جمع ہوتے اور قسمیں کھاتے کہ ہمیں پلاسی کی شکست کا بدلہ لینا ہے۔ (تاریخ جنگ آزادی ہند 1857ء، ص: 113)

تاریخ شاہد ہے کہ مشرقی علاقوں پر قبضہ کے بعد انگریز تشدد کے ساتھ لگان وصول کرتے اور غریب کسانوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ وکلاء میں بہار اور بنگال میں آنے والے قحط کے نتیجے میں لوگ بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرتے رہے اور کمپنی کے گوداموں میں اناج کے پہاڑ بنتے رہے، لیکن کیا مجال کے چند مٹھی اناج بھوک سے مرنے والوں کے حلقوم تک پہنچ جاتے۔

یہ بات سب کے مشاہدے میں تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر تصرف علاقوں میں عیسائی پادری کھلے عام دوسرے مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں اور اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، بلکہ بنگال اور دوسرے خطے ایسے تھے، جہاں پادریوں نے ہندو مذہب اور اسلام کے خلاف نہایت ہی رکیک لب و لہجے میں کتابچے شائع کروا کے تقسیم کروائے۔ (تاریخ جنگ آزادی ہند، ص: 113)

مغلیہ سلطنت کے بادشاہ کی بے عزتی، اودھ پر قبضہ اور نواب واجد علی پر ظلم و ستم، ناگپور اور جھانسی کے مہاراجاؤں کی موت کے بعد اقتدار پر قبضہ، بھرت پور، کرناٹک اور بنڈیل پر قبضہ، غرضیکہ ہر چہار سمت تن کے گورے من کے کالے قہر و غضب بن کر عوام پر برس رہے تھے۔ ایسے

حالات میں یہ کہنا حقیقت کی درست عکاسی ہے کہ ملک کے کونے کونے میں انگریزوں کے خلاف نفرت و عداوت کی چنگاری سلگ رہی تھی، جسے ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں کام کرنے والے ہندوستانی سپاہی بھی خوب اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔

اسی درمیان ایک ایسی افتاد پڑی کہ جس نے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔ ہوا یہ کہ انگریزوں نے اپنے فوجیوں کے لیے جو بندوقیں مہیا کیں، ان کے کارتوس گائے اور سور کی چربی سے آلودہ تھے اور انھیں بندوقوں میں ڈالنے سے پہلے دانتوں سے چبانا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات ہندو اور مسلمان، دونوں کے لیے تشویشناک تھی، اس لیے فوجیوں نے ایسے کارتوس کے استعمال سے انکار کر دیا۔

متذکرہ بالا حالات لوگوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت و عداوت کی چنگاری سالگا رہے تھے۔ عام کسانوں، تاجروں، مزدوروں اور کمپنی کے محافظین میں شامل ہندوستانی فوجی تک یہ محسوس کرنے لگے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے پورے ملک کو غلام بنا رکھا ہے، جس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ملک کے مختلف علاقوں سے جلد ہی انگریزوں کے حکم عدولی کی اطلاعات آنے لگی تھیں۔ لکھنو، الہٰ بادی مدراس اور دہلی کی دیواروں پر انگریزوں کے خلاف متحد ہو کر لڑنے کے لیے اشتہارات چسپاں کیے گئے۔

۱۰/ مئی 1857ء کی شام دیسی فوجیوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تحریک بغاوت تیزی کے ساتھ میرٹھ، آگرہ، دہلی، علی گڑھ، اودھ، کانپور اور روہیل کھنڈ تک پھیل گئی اور ہر چہار جوانب سے انگریزوں کے خلاف نعرے بلند ہونے لگے۔ ویسے تو جانبازوں نے ہر محاذ پر بہادری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا، تاہم انگریزوں کو پے در پے ملنے والی تازہ کمک نے انھیں ناقابل تلافی نقصانات پہنچائے۔ بے شمار مجاہدین آزادی شہید کیے گئے، آبادیاں ویران کی گئیں اور بہتیرے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور ہوئے۔ بالآخر بہادر شاہ ظفر بھی دہلی سے بے دخل کیے گئے اور ان پر فوجیوں اور عام لوگوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت کے لیے اکسانے کے الزامات لگائے گئے۔ یہ مقدمہ ۴۲/ دنوں تک چلتا رہا، جس میں مجرم ٹھہراتے ہوئے انھیں ۷ اکتوبر 1857ء کو جلاوطنی کی سزا دے کر رنگون بھیج دیا گیا۔ (تاریخ جنگ آزادی ہند، ص:332)

کوئی شک نہیں کہ 1857ء کی جنگ آزادی میں عزت و آبرو اور جان و مال کی بڑے پیمانے پر تباہی کی وجہ سے ہر شخص افسردہ، نڈھال اور اشک بار دکھائی دے رہا تھا۔ ایسے حالات میں افکار و خیالات اور اذہان و قلوب پر قنوطیت کے بادل چھا جائیں، تو عجب نہیں کہ یہ تقاضائے فطرت کے عین مطابق ہے۔ یہی وہ عہد شکستہ تھے، جس کے دوران قادیانیت کے نام سے ایک نئے فتنہ نے جنم لیا اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف و انتشار پھیلانے کی ناکام کوشش کی۔

معاشی حالات: سولہویں صدی کے اوائل میں بابر نے مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ وہ اور ان کے بعد زمام اقتدار سنبھالنے والوں نے توسیعی پالیسی جاری رکھی، یہاں تک کہ شہنشاہ اورنگ زیب کی موت کے وقت اس کی شمالی سرحد قراقرم پہاڑ اور آکس دریا کے ساحلوں کو چھو رہی تھی اور نیچے دکن میں دریائے کاویری تک پہنچ گئی تھی، پچھم سے ایران اور برما تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ مغلیہ دور میں رقبہ کے لحاظ سے ہندوستان، پچھلے اور بعد میں آنے والے دور حکومت، کے مقابلے میں کہیں زیادہ کشادہ تھا۔

(جاری)☆☆☆

انوارِ حیات

مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی

شخصیت، علمیت، خطابت اور پیغام

مولانا محمد فروغ القادری

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

عصر حاضر میں خطیب اعظم، ماہر لسانیات، مفکر اسلام، خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند، مبلغ اسلام، سیاح عالم حضرت علامہ محمد قمرالزماں خان اعظمی ادام المولیٰ فضلہ و زید مجدہ سیکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کا شمار ان عبقری شخصیات میں ہوتا ہے جنھیں مشیت نے ماضی و حال کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ عالم اسلام کے ایک قد آور عالمِ دین، زبان و بیان پر قدرت رکھنے والے عظیم خطیب، بین الاقوامی سطح پر اہلِ سنت و جماعت کی ترجمانی کرنے والے ایک مخلص داعی اور دانش حاضر کی قدروں سے آشنا شرق و غرب میں پھیلے ہوئے کروڑوں زندہ دل مسلمانوں کے قائد و رہنما ہیں، جنھیں اپنے کردار و عمل، علم و یقین، تدبر و تفکر، زہد و تقویٰ، بصارت و بصیرت، اخلاص و مروت، سادگی و پرکاری، پرکشش پیکر سراپا اور سحر انگیز طرزِ خطابت کے سبب عالمی سطح پر نمایاں اور موثر ترین شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کی دعوتی خدمات کے نقوش اور ان کے دیرپا اثرات برصغیر ہند و پاک کے دینی جامعات، عصری درس گاہیں اور اربابِ علم و دانش میں پائے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے اُن کا سوزِ عشق اور جذبۂ دروں کی جلوہ نمائی اُن کی تحریکی و تنظیمی راہوں میں ہر لمحہ خضر راہ کی حیثیت سے شریک سفر رہی ہے۔

"مفکرِ اسلام سیدی علامہ قمر الزماں اعظمی" گذشتہ پچاس سالوں (2024-1974ء) سے دیارِ فرنگ برطانیہ میں قیام فرما ہیں، اِس درمیان انھوں نے جدت پسند، مغرب زدہ اقوام و ملل کو اسلام کی ابدی سچائی اور دین فطرت کی لازوال فتح مندی کی طرف دعوت دی ہے۔ انھوں نے اپنے جامع اور وقیع خطبات کے ذریعہ سے اِس حقیقت کو منکشف کیا ہے کہ اسلام نہ نسلی، جغرافیائی یا لسانی قومیت ہے اور نہ ہی کوئی عالمگیر سامراجی طاقت ہے، بلکہ وہ ایک نظامِ حیات اور آئین زندگی ہے جو عدل و انصاف، اعتدال و توازن، قوت برداشت، اور احترام انسانیت کی بنیاد پر ایک صالح معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے۔ اُن کے بیشتر خطبات آیات قرآنیہ سے مرصع ہوتے ہیں، انھوں نے اپنے سامعین کو بار بار قرآنِ عظیم میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ انقلاب لیل و نہار اور اختلاف الوان والسنہ قدرت کی نشانیوں میں ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب پر فکر و نظر کرنا ہماری مذہبی ذمے داریوں میں سے ہے۔ مظاہر فطرت کے سامنے سے آنکھیں بند کر کے گزر جانا قرآن کے نزدیک قابلِ مذمت حرکت ہے۔ علم و جہل ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے، طبیعی اور تجربی علوم کی ترقی خود اسلام کا منشاء اور مسلمانوں کا خاصہ رہا ہے۔ مغرب کی جدید دانش گاہیں مسلم مفکرین کی دقت طرازیوں اور محنتوں کا ثمرہ ہیں۔ یہ وسیع و عریض کائنات بے مقصدیت پر منطبق نہیں، اس کا ہر شعبہ کسی صداقت کا مظہر ہے، لیکن لوگوں کی اکثریت اس سے ناآشنا ہے۔ یہ وہ عناوین ہیں جو حضور مفکر اسلام "علامہ قمر الزماں اعظمی" کے بیشتر خطبات کا آئینہ دار ہیں اور جس پر وہ گھنٹوں بے تکان بولتے ہیں، اور سامعین بے خود ہو کر انھیں سنتے ہیں۔

گذشتہ 60 سالوں سے علامہ اعظمی نے ایک عظیم دانشور،

مصلحِ قوم وملت اور خطیبِ اعظم کی حیثیت سے کائنات دل کو مسخر کررکھا ہے، اُن کے فکر و فن اور فلسفہ و حکمت کو جن لوگوں نے بھی سمجھا انھیں حرزِ جاں بنایا ہے۔ وہ فکرِ امام احمد رضا کے بہترین شارح میں جنھوں نے رضویات کے ترجمان کے طور پر مشرق و مغرب میں شہرت دوام حاصل کی۔ وہ صاحب علم وفضل، دقت نظر، گہرے ادراک، وسعت مطالعہ کے حامل شخصیت کی حیثیت سے اربابِ علم ودانش میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے سامعین اور مداحوں میں دینی مدرسوں کے ساتھ ساتھ عصری جامعات اور یونیورسٹیز کے طلباء اور مدرسین کی ایک خاصی تعداد موجود ہوتی ہے۔ ان کے تمام خطبات اپنے اندر مشرقی ومغربی فلسفہ وحکمت، رسوم ورواج اور تہذیب وثقافت سے مکمل آگاہی رکھتے ہیں۔ وہ اکثر وبیشتر اسلام کی عظمت رفتہ اور قسمت برگشتہ کی بازیابی کے لیے کوشاں اور حال زار پر گریہ کناں نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی سرشت میں رجائیت پسند واقع ہوئے ہیں، مایوسی اور تھکن ان کے آس پاس نہیں آتی اور ان کا یہی طرز عمل انھیں معاصر علما کے مابین حد درجہ ممتاز کرتا ہے۔ ان کی فکری و نظریاتی ہم آہنگی، فنی ولسانی ارتقا، اسلوب بیانی کی انفرادیت، فلسفیانہ طرزِ استدلال، اقوام کی عظمتِ رفتہ پر دل گیری، نسل نو کے لیے عزم وہمت اور جہد مسلسل کا موثر پیغام، فکر اسلامی کی تشکیل نو، عصر حاضر کے اقتضاء کے پیشِ نظر جدید لائحۂ عمل کے لیے جدوجہد، یہ وہ اجزائے ترکیبی ہیں، مفکرِ اسلام علامہ قمرالزماں اعظمی کے خطبات کے جو اپنے سامعین کو باہمت، خود آگاہ اور پر جوش بنا کر صحرا نوردی کا حوصلہ بخشتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی ہشت پہلو شخصیت کی مکمل آئینہ بندی مجھ جیسے بے بضاعت اور کم علم کی دسترس سے باہر ہے۔ ایک عالم ربانی کے افہام وابلاغ کے لیے جو فکر رسا، بصیرت افروز تعقل، فکر وفن کی گہرائی وگیرائی، مکاشفاۃ علمیۃ وارادات قلبیہ اور تبلیغ دین وسنت کے لیے جس پیرائے بیان کی ضرورت ہے اُن تمام جواہرات سے علامہ اعظمی کا دامن مالا مال ہے۔ ان کا ذہن فکری تعصب، آپسی جماعتی گروہ بندی، اعتقادی عناد اور نظریاتی غلو سے ہمیشہ مبرا رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے خطبات کی ترسیل وتفہیم میں محققانہ اور غیر جانبدارانہ انداز اپنایا ہے۔ ان کا پرکشش اسلوب بیان اس قدر دل آویز ہے کہ مشکل سے مشکل فلسفیانہ ابحاث کو بھی وہ انتہائی سادگی سے قلوب واذہان کے دریچے میں اتارنے کا ہنر جانتے ہیں۔ میرے نزدیک علامہ اعظمی مفکر بھی ہیں اور مدرس بھی، وہ مصلح بھی ہیں اور مدبر بھی، وہ خودی کا پیامبر بھی ہیں اور بے خودی کا رمز شناس بھی، ان کے بلاخیز اور سحر انگیز خطبات میں ذکر وفکر، جلال وجمال، تصوف وطریقت اور فقر و غناء ہم آغوش نظر آتے ہیں۔ وہ ایک ہمہ گیر دل ودماغ کے مالک اور وجد وعرفان کی لذّتوں سے آشنا عابد شب زندہ دار ہیں۔ در اصل وہ ایک عبقری اور متبحر عالم دین ہیں جنھیں علم وفن کے تمام شعبوں پر باضابطہ استحضار ذہنی حاصل ہے۔ انھوں نے اپنی بے مثال اور تعمیری خطبات کے ذریعے ملت اسلامیہ کے مردہ رگوں میں ایمان وعمل کی نئی روح پھونک دی جسے آئندہ نسلیں یاد رکھیں گی۔ ان کے تمام خطبات میں کتاب ملت بیضاء کی شیرازہ بندیوں کا احساس، احیاے ملت کے تقاضے، غیر معمولی طرزِ استدلال، لفظیات کے انتخاب میں ان کا کمال شعور، مردہ اقوام کے دلوں میں حیات تازہ اور فکر فردا پیدا کرتے ہیں۔ ان کے تمام خطبات کا خود تعلیماتِ اسلامی اور جذبۂ احیائے ملت ہے۔

ایک باکمال خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ مبداء فیاض نے انھیں علم وحکمت، سوز دروں اور عقل وعشق کی بے پناہ آمیزش سے بھی نوازا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار کمالات واوصاف اور غیر معمولی محاسن ان کی شخصیت میں یکجا جمع ہوگئے ہیں۔ تاہم تفکر وتاثر کی وسعت وگہرائی جو ان کے خطبات میں نظر آتی ہے وہ ان کے معاصر خطبا میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ "مفکرِ اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی" کے افکار وخیالات اور وجدانات میں ایک لامتناہی تسلسل پایا جاتا ہے جو ملت اسلامیہ کی ترجیحات اور اس کے تعمیری اقدامات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جدّت، وسعت، حکمت،

روحانیت، تصوف، فلسفہ و حکمت، سیرت و کردار، دانش و بصیرت، فکر و نظر یہ ان کے خطبات کے عناصر ترکیبی ہیں جو عہد حاضر کے پیشہ ور خطبا میں انھیں ممتاز کرتے ہیں۔ وہ جب بولتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نثر میں شاعری کر رہے ہوں، اردو زبان کا بڑا سے بڑا ناقد اور ادیب بھی ان کی سحر بیانی اور عظمت سخن کے اعتراف پر مجبور ہے۔ سید شہاب الدین سابق ایم پی (اور انڈین سفارت کار) علامہ کوثر نیازی پاکستان، علامہ سید نصیر الدین نصیرؔ پاکستان، ڈاکٹر سید مثنیٰ انور اشرفی، ڈاکٹر سید وحید الدین اشرفی، ڈاکٹر طلحہ برق رضوی جیسے ماہر علم و فن علامہ اعظمی کی زبان دانی اور اسلوب بیان کے مداح نظر آتے ہیں۔ علامہ سید نصیر الدین نصیرؔ (سجادہ نشین گولڑہ شریف پاکستان) نے مجھ سے ایک ملاقات میں کہا کہ آج علامہ اعظمی صاحب سے مانچسٹر میں میری پہلی ملاقات ہوئی ان کے کمال علم و فن اور لب و لہجہ کے بانکپن سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں، وہ نظم و نثر دونوں اصناف سخن پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ اُن کی گفتگو سے اساتذہ کی صحبت عملی کے آثار جھلکتے ہیں۔ علما میں مجھے ان جیسا برطانیہ تو کیا پاکستان میں بھی نظر نہیں آتا، ان کی باتیں کانوں میں رس گھولتی ہیں، دل چاہتا ہے کہ ان سے گھنٹوں بات کی جائے۔ اور اہم بات یہ ہے کہ انھیں اردو کے ساتھ ساتھ فارسی شعرا سے بھی گہرا لگاؤ ہے، اس حوالے سے وہ فن عروض کے بھی ماہر نظر آتے ہیں، لفظوں کا انتخاب بھی سامع کو بے حد متاثر کرتا ہے۔

غالباً یہ بات ۱۹۸۳ء کی ہے جب مجھے پہلی بار مادر علمی الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی، فیض آباد (یوپی) انڈیا کے سالانہ جلسۂ دستار بندی کے موقعے سے براہ راست علامہ قمر الزماں اعظمی کا خطاب سننے کا شرف حاصل ہوا، پہلے تو میں ان کی بلند قامتی اور پرکشش پیکر سراپا سے متاثر ہوا، پھر دوران خطاب انھیں سن کر ایسا محسوس ہوا جیسے کہ حیات قطرہ قطرہ میری رگ و پے میں اتر رہی ہو۔ میری روح کی گہرائیوں میں ایک عجیب سی تازگی کا احساس عرق دو آتشہ کی طرح رفتہ رفتہ تحلیل ہو رہا تھا اور یوں محسوس ہوا کہ علامہ اعظمی کی قد آور آواز میں شعور و آگہی کے سارے عناصر موجود ہیں، بلا شبہ وہ جماعت اہل سنت اور مسلک امام احمد رضا کے ان نامور خطبا میں ہیں جو لوگوں کے دلوں میں بستے ہیں، اور ان کا پیغام عمل گزشتہ نصف صدی سے لوگوں کی رگوں میں خون بن کر گردش کر رہا ہے۔ وہ فکر و فن کی اس بلندی سے بولتے ہیں کہ اس میں مزید ترفع کی گنجائش نہیں رہتی، ان کا ہر جملہ سامع کے دل و دماغ کی تہ میں اتر جاتا ہے اور وہ احیائے اسلام کی تحریک کا داعی بن جاتا ہے جس کا مقصد، مدعا اور نظریہ عہد حاضر میں ایک جدید اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر ہے، تاکہ مسلمانان عالم اپنی عظمت رفتہ کے حصول کے بعد منصب امامت پر جلوہ گر ہو سکیں۔ انھوں نے اپنے خطاب کی اساس علم و آگہی اور حقیقت کے عرفان پر رکھی ہے، پھر اس پر ان کا آفاقی اور کائناتی رنگ و آہنگ اپنے سامع کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے، ان کے خطبات کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر ہر لفظ ان کے دل سے نکلتا ہے اور ملت کے افراد کے دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے، الفاظ کا خوبصورت انتخاب، معنی خیز جملوں کی بندش، پھر اس میں ان کے خون جگر کی نمود، ایک نئی دنیا سے آگاہی بخشتی ہے، جس کے کیف و سرور سے بربط دل کا ہر تار نغمہ سرا ہوتا ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

(اقبالؔ)

بر صغیر ہندوستان میں علامہ فصیحیؔ، ادیبیؔ اور نظامیؔ کے وصال کے جو نشست خالی ہوگئی تھی اسے مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی نے اپنے موثر اور معنی خیز خطبات کے ذریعے سے پُر کر دیا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے معتبر عالم دین حضرت علامہ عبد المبین نعمانی قادری رکن المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ لکھتے ہیں کہ:

”حضور حافظ ملت، استاذ العلما، علامہ شاہ حافظ عبد العزیز محدث مبارکپوری علیہ الرحمہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی نظر کیمیا اثر نے جن علما کو کندن بنا کر دین و دعوت و تبلیغ کے لیے

میدان میں اتارا اور جو آج دین پاک کی نمایاں خدمات میں لگے ہوئے ہیں ان میں مفکر اسلام خطیب بے مثال حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی مصباحی دامت برکاتہم العالیہ کا نام بھی سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا۔ آپ کے اندر جوہر خطابت ایسا لگتا ہے کہ پیدائشی طور پر ودیعت کیا گیا ہے، آپ گھسے پٹے موضوعات پر قدیم طرز کے راہ رَو نہیں بلکہ نئی زمینوں پر افکار کے گل بوٹے کھلاتے ہیں، زبان ایسی پاکیزہ اور رَس بھری پائی ہے کہ جو بولتے ہیں دلوں میں اتر جاتا ہے۔ الفاظ کا یہ عالم ہے کہ گویا بولتے نہیں ہیں جادو جگاتے ہیں۔ علامہ ابو الوفاء فصیحی غازی علیہ الرحمہ کے بعد ایسا فصیح اللسان خطیب اہلِ سنت کو کوئی اور نہیں ملا۔ خطابت ایک فن ہے جو کہ کم لوگوں کے نصیب میں آتا ہے لیکن علامہ قمر الزماں اعظمی کی سب سے بڑی خصوصیت میرے نزدیک یہ ہے کہ آپ فن کار تو ہیں پیشہ ور مقرر نہیں، بلکہ مذہب حق کے پر سوز داعی و مبلغ کی حیثیت سے ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ از دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق ہوتا ہے۔ آپ کی زبان نے سنجیدگی کے دائرے سے باہر رہ کر کبھی مبتذل انداز نہیں اختیار کیا، تعلیمی یادگار کے طور پر الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی، فیض آباد (یوپی) آپ کی توجہات کا مرکز ہے، جس کا شمار مسلک کے چند معیاری درسگاہوں میں ہوتا ہے۔‘‘

’’علامہ عبد المبین نعمانی‘‘ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

’’جماعتی انتشار اور آپسی اختلافات کو یاد کر کے رونے والا اس زمانے میں شاید ہی کوئی نظر آئے، البتہ مزے لے لے کر اور دوسرے کی تضحیک اور توہین آمیز کلمات سے اپنے بھائیوں کی دل آزاری اور غیبت تو ہمارا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہے، لیکن حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی صاحب اس سلسلے میں نہایت متفکر اور خاموش طبع واقع ہوئے ہیں، بلکہ اختلاف و انتشار کا ذکر کر کے بسا اوقات ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے بھی دیکھے گئے ہیں۔ جس سے ان کے دلی اضطراب اور مخلصانہ کرب کا پتہ چلتا ہے۔ یقیناً علامہ قمر الزماں اعظمی جیسا دیدہ ور چمن میں بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسے عالی ظرف، ہمدرد قوم و ملت اور محسن اہلِ سنت شخصیت کو جو اور جس قدر ایوارڈ دیا جائے کم ہے، اور ان کی دینی و تبلیغی خدمات کو جتنا بھی سراہا جائے، وہ اس کے مستحق ہیں۔‘‘

بلا شبہ مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی کی قابل رشک زندگی حرکت و عمل سے عبارت ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کے موجودہ انتشار و اختلاف کے نتیجے میں انھیں اکثر اشکبار اور کبیدہ خاطر دیکھا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ عہد حاضر کے فتنہ پرور ماحول میں تقریری و تحریری طور پر حالات کا صحیح مقابلہ کرنے کے لیے انھوں نے اپنی باوقار شخصیت میں اعلیٰ نصب العین، الوالعزمی اور ملت اسلامیہ کی ناقابل تسخیر قدروں کو اپنی حیات ظاہری کا عنوان بنایا ہے، ان کی پر کشش شخصیت میں علم و فن اور اخلاص فراواں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہر لمحہ محسوس ہوتا ہے، ان کے باوقار وجود میں ٹھہراؤ بھی ہے اور جولانی بھی، استحکام کا سکون بھی ہے اور انقلابی شرارے بھی، غیرت جلال بھی ہے اور جمال مروت بھی۔ ان کا دل ملت اسلامیہ کے درد و کرب میں دھڑکتا ہے، ان کی صاف گوئی ہر طرح کی دنیوی مصلحتوں سے بے نیاز رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی پر شکوہ اور جامع الصفات شخصیت جب ایک بار اپنی رائے پیش کر دیتی ہے تو پھر وہ کسی ناخن گرہ کشا کی منت پذیری اور کج کلاہان زمانے کی تنقیدات اور تبصروں کی پرواہ نہیں کرتی۔ وہ حق کے اظہار میں عوامی مقبولیت کے مجروح ہونے کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کی حیات افروز شخصیت، ذہانت اور جفاکشی کا امتزاج ہے، ان کی پاکیزہ طبیعت آہِ نیم شبی اور لذت سحر خیزی کی لطافتوں سے آشنا ہے، وہ متاعِ وقت اور کاروانِ حیات کے پر جوش داعی ہیں، ان کا مطالعہ حد درجہ معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ عام نشستوں میں بھی ان کی گفتگو پاکیزہ، معنی خیز اور مؤثر ہوتی ہے جو ایک صائب الدماغ مفکر کی پیداوار ہوتی ہے۔ یہ بات میرے اکثر مشاہدے میں رہی ہے کہ وہ اپنی ذاتی مجالس میں بھی علم و فن اور شعور و آگہی کے جواہرات لٹا رہے ہوتے ہیں جسے سن کر ان کے عالمانہ عزّ و شرف، تبحر علمی، قادر

الکلامی، محققانہ ندرت، کاروانِ شوق کی کیف و مستی اور اندازِ کلام کا بانکپن ظاہر ہوتا ہے، ساتھ ہی یہی کیفیت بالاستمرار ان کے خطابت سے بھی نمایاں رہتی ہیں۔ ان کے اعلیٰ ذہن و دماغ کے نقش و نگار، زبان و بیان کی سلاست، معنی خیز جملوں کی ترتیب و تہذیب، فصاحت و بلاغت، خوبصورت استعارے، تخیل و محاکات کی فراوانی، جذبۂ دل کے انکشافات، جبرئیل عشق کا فیضان اور دردمند دل کا الہام سامع کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ ان کے تمام تر خطبات اپنے دامن سیماب میں معلومات و حقائق کی ایک دنیا آباد کیے ہوئے ہیں۔ اور یہی ان کا اعجاز ہنر اور شوکت فضل و کمال ہے۔ آج دنیا کے چار براعظموں میں جہاں جہاں اردو زبان و ادب کے شائقین موجود ہیں علامہ اعظمی کا منفرد اسلوب اور سحر کن انداز خطاب نے انھیں اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔

"مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی" کے خطبات میں ملت اسلامیہ کے لیے ایک پیامِ نو اور حالات کی تجدیدات کی نئی روشنی میں اسرارِ کلامِ الٰہی اور رموزِ شریعت سے باضابطہ آشنائی میں آتی ہے۔ انھوں نے مدارس اور یونیورسٹیز کے طلبا کو براہِ راست اپنا مخاطب بنایا ہے، جس میں انھوں نے اپنی فکر و خیال کی بلند پروازی کے ساتھ ملت اسلامیہ کی موجودہ بے قراری، مسائل اور زوال پذیری جیسے حساس عناوین کا انتخاب کیا۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے سینے میں امت مسلمہ کی تجدید و احیاء کا درد اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا جذبۂ جنوں خیز سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ علامہ اعظمی کے خطبات کے دراصل یہی وہ مثبت اور تعمیری جہات ہیں جو انھیں دیگر خطبا سے ممتاز اور ممیز کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ان کے یہاں صرف درد انگیز نالے ہی نہیں بلکہ انتہائی ولولہ انگیز پیغام عمل بھی ہے۔ جس نے یاس و قنوطیت کی ظلمت کا پردہ چاک کر دیا اور دلوں میں عشق رسالت کے چراغ روشن کر دیے، انھوں نے روحدین کی تعبیر میں توہم پرستی، جہات پر مبنی طریقۂ تصوف اور بدعقیدگی کی پرزور مذمت کی ہے، اور اس ضمن میں دین و شریعت کے جملہ مظاہر کی اصل روحِ عشق مصطفی کو قرار دیا ہے۔ وہ عشق رسول کو اصلِ حیات، فقیہ حرم، اسیر جنود، فاتحِ اعظم، ابن السبیل، ذریعۂ نجات اور مردِ کامل کے لیے متاعِ گراں مایہ تصور کرتے ہیں۔

"مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی" کے خطبات کا حقیقی ماخذ قرآنِ عظیم ہے۔ ایک مقام پر "قرآن کا تصور انسان" کے عنوان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا جس کا غالباً مفہوم یہ ہے کہ "ملت اسلامیہ کا تصور کسی نظام کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اور اس نظام کے قیام و ثبات کے لیے اللہ جل شانہ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا ہے۔ پس اگر مسلمان اپنا ملّی، مذہبی، اعتقادی اور عملی نظام استوار رکھنا چاہتے ہیں تو انھیں قرآن پاک کو اپنا دستور حیات اور ضابطۂ عمل بنانا ہوگا۔ گویا احیائے دین کی جدوجہد ہو یا پھر تجدید ملت کی سعی۔ علامہ اعظمی کے نزدیک اس کا محور و مرکز قرآن عظیم ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ: "عمل جدید کوئی غلط شئ نہیں ہے اور آفاق و انفس کے بارے میں معلومات کے جو خزانے اس میں جمع کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ متاعِ بے بہا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس میں خالق کائنات کی معرفت و محبت کی چاشنی گھول دی جائے۔

یورپ خصوصاً برطانیہ میں علامہ اعظمی کی دینی، عملی اور تحریکی خدمات کا تسلسل ۵۰؍ سالوں پر محیط ہے، اس طویل عرصے میں انھوں نے برطانیہ، امریکہ، ہالینڈ، ناروے، کنیڈا میں کئی ایک دینی مراکز قائم کیے۔ بے شمار مساجد اور داروں کی سرپرستی فرمائی۔ اصلاح عقائد اور نوجوانوں میں مذہبی بیداری پیدا کرنے کے لیے برطانیہ و یورپ کے ہر بڑے شہر میں جلسے کروائے، ہفتہ وار درس قرآن کا اہتمام کیا، دین حق کے غلبے کے لیے ان کی یہ دقت طرازی، صحرا نوردی اور کشور عقدۂ مشکل کو علما اور عوام کی آئندہ نسلیں ضرور یاد رکھیں گے۔ ان کے ہاں تضیع اوقات یا فرصت عمل کو ضائع کرنا کسی معصیت سے کم نہیں، ان کے یہی وہ مابہ الامتیاز اوصاف ہیں جو انھیں قابلِ قدر بناتے ہیں اور جن کی صحبتوں میں پہروں بیٹھنے کو دل چاہتا ہے۔

(جاری) ■■■

آئینۂ عالم

سوڈان کی حالت اور عالمی طاقتوں کی خاموشی

حافظ افتخار احمد قادری

آج سوڈان میں انسانیت دم توڑ رہی ہے اور پوری دنیا خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے۔ وہ سرزمین جو کبھی علم و تہذیب، اخوت و رواداری کی علامت تھی آج خاک و خون میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ایک طرف انسان کے وجود کو مٹانے کی سازشیں ہیں اور دوسری طرف عالمی طاقتوں کی مجرمانہ خاموشی۔ یہ دور جدید کا وہ المناک باب ہے جہاں انسان نے خود اپنے وجود کی نفی کردی ہے۔ گزشتہ دنوں جب سوشل میڈیا پر سوڈان کے باشندوں کی کچھ ویڈیوز سامنے آئیں تو دل کی کیفیات زیروزبر ہوگئیں۔ ایسا محسوس ہوا جیسے روح بدن سے نکل جائے، آنکھوں نے جو دیکھا وہ الفاظ کی گرفت میں نہیں آسکتا۔ ان ویڈیوز میں ایسے دل دہلا دینے والے مناظر تھے جنہیں دیکھ کر مورخ کا قلم لرز جائے اور انسانیت کی بنیادیں ہل جائیں۔ زندہ انسانوں کو نذرِ آتش کیا جارہا تھا، بھوک اور پیاس سے نڈھال اجسام کو زمین میں دفن کیا جارہا تھا۔ گولیوں کی بوچھار میں انسانیت تڑپ رہی تھی، سڑکوں پر لاشوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ ایسے مناظر بھی دیکھنے کو ملے جہاں گلیوں کے کنارے لاشیں بکھری تھیں، مائیں اپنے بچوں کو آغوش میں لیے بیٹھی تھیں کہ شاید اگلا لمحہ آخری ہو، شاید سانس کا یہ سلسلہ اب ٹوٹنے والا ہے۔ بچوں کی سسکیاں، ماؤں کی آہیں، بزرگوں کی چیخیں، ہر منظر ایک نئی قیامت کا اعلان تھا۔ کہیں ایک باپ اپنی لختِ جگر کو ملبے تلے تلاش کررہا تھا کہیں ایک ماں اپنے بیٹے کے چہرے کو مٹی سے صاف کرکے آخری بار بوسہ دے رہی تھی۔ سوڈان کی سرزمین گویا انسانیت کے قبرستان میں بدل چکی ہے جہاں ہر سانس میں خوف اور ہر خواب میں موت کی جھلک ہے۔ آخر یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟ کب تک مفادات کی خاطر انسانوں کی نسل کشی ہوتی رہے گی؟ کب تک بنی آدم قربان گاہوں پر پیش کیے جاتے رہیں گے؟ دنیا کی طاقتور اقوام جو انسانی حقوق کے نعرے لگاتی نہیں تھکتیں آج اس ظلم پر کیوں خاموش ہیں؟ کیا سوڈان کے انسان انسان نہیں؟ کیا وہاں بہنے والا خون خون نہیں؟

سوڈان کی تباہی صرف ایک ملک کی بربادی نہیں بلکہ یہ عالمی ضمیر کی شکست ہے۔ یہ اس دور کا اعلان ہے جس میں طاقتور کی خاموشی کمزور کی موت بن چکی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے اجلاسوں میں لمبی لمبی تقریریں ضرور ہوتی ہیں مگر ان تقریروں کا کوئی حاصل ان خستہ حال بستیوں تک نہیں پہنچتا جہاں مائیں اپنے بچوں کے ساتھ بھوک اور خوف کی دوہری موت مر رہی ہیں۔ سوڈان کی گلیوں میں آج انسانیت سسک رہی ہے۔ نہ دوا ہے، نہ پناہ، نہ امن، نہ انصاف۔ ہر سمت ملبہ ہے، ہر دل زخمی ہے، ہر آنکھ سوالی ہے۔ لوگوں کے گھروں میں نہ بجلی ہے، نہ پانی، نہ خوراک صرف خاموشی ہے ایسی خاموشی جو چیخوں سے بھی زیادہ دردناک ہے۔ وہ ممالک جو اپنے دفاع کے نام پر اربوں ڈالر کے اسلحے بناتے ہیں آج ایک برباد قوم کے لیے چند الفاظ ہمدردی تک ادا نہیں کرپا رہے۔ ان کی آنکھوں پر سیاسی مفادات کی پٹی بندھی ہے اور ان کے ضمیر پر تجارتی معاہدوں کی مہر لگی ہے۔ یہ المیہ صرف سوڈان کا نہیں بلکہ یہ پوری انسانیت کا ہے۔ اگر آج ہم نے اپنی آواز نہیں اٹھائی تو کل یہی آگ کسی اور سرزمین کو جلا دے گی کیونکہ ظلم جب ایک جگہ برداشت کیا جاتا ہے تو وہ باقی دنیا تک پہنچنے میں دیر نہیں لگاتا۔ خاموشی دراصل ظالم کے لیے سب سے بڑی طاقت ہے اور ہم سب اس خاموشی کے شریکِ جرم ہیں۔ سوڈان کی ماؤں کے آنسو، ان کے بچوں کی لاشیں، ان کے گھروں کا ملبہ یہ سب ہم سے

کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت یوپی iftikharahmadquadri@gmail.com

سوال کر رہے ہیں کہ کہاں گئے وہ عالمی اصول، وہ انسانی حقوق، وہ انصاف کے نعرے؟ کیا انسان صرف زبان سے انسان کہلانے کے لیے رہ گیا ہے؟ کیا ضمیر اب صرف تقریروں میں زندہ ہے؟ وقت ہے کہ دنیا جاگے اور عالمی ضمیر ایک بار پھر اپنے وجود کا احساس دلائے۔ سوڈان کے لیے آواز اٹھانا صرف انسان دوستی نہیں بلکہ اپنی انسانیت کو زندہ رکھنے کی علامت ہے۔ یہ آواز شاید کمزور ہو مگر یہی کمزور آواز تاریخ بدل سکتی ہے۔ یہی فریاد نسلوں کو جگا سکتی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ تاریخ ان اقوام کو معاف نہیں کرتی جو ظلم کے وقت خاموش رہتی ہیں۔ سوڈان کی خاک سے اٹھنے والی چیخیں آج بھی آسمان کو چیر رہی ہیں مگر زمین پر کوئی سننے والا نہیں۔ اگر ہم نے اب بھی نہ سنا تو شاید کل ہماری اپنی سرزمین پر یہی چیخیں گونجیں گی کیونکہ آج سوڈان کے جلتے ہوئے آسمان کے نیچے صرف انسانیت نہیں تڑپ رہی بلکہ مسلم امہ کی غیرت بھی دم توڑ رہی ہے۔ وہ امت جسے "خیرِ امت" کہا گیا، جسے مظلوم کا سہارا اور عدل و انصاف کا علمبردار بنایا گیا آج اپنے ہی بھائیوں کے خون پر خاموش ہے۔ وہی امت جس کے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظالم کے حوالے کرتا ہے" مگر افسوس کہ آج یہی امت اپنے مظلوم بھائیوں کو ظالم کے رحم و کرم پر چھوڑ چکی ہے۔

جب غزہ جلتا ہے تو ہم چند دن سوشل میڈیا پر بینرز لگاتے ہیں، جب کشمیر لہو لہان ہوتا ہے تو کچھ لمحوں کے لیے جذبات ابھرتے ہیں اور اب جب سوڈان ملبے میں دفن ہو رہا ہے تو ہمارے دارالحکومتوں میں خاموشی کی فضا ہے۔ کوئی مشترکہ اجلاس نہیں، کوئی عملی قدم نہیں صرف بیانات کی سیاست اور زبانی ہمدردی۔ تیل، تجارت، مفادات، معاہدے سب کچھ انسانیت پر بھاری پڑ گیا ہے۔ عرب و عجم، عجم و عرب سب ایک ہی صف میں کھڑے ہیں مگر ان کے سامنے قبلہ بدل چکا ہے اب رخ بیت اللہ کی بجائے طاقت کے ایوانوں کی طرف ہے۔ کیا ہماری وزارتِ خارجہ کے بیانات سوڈان کے زخموں پر مرہم رکھ سکتے ہیں؟ کیا ہمارے سفارتی اجلاس بھوک سے بلکتے بچوں کو روٹی دے سکتے ہیں؟ کیا ہمارے مفادات کے تحفظ کی پالیسی ان جلتے گھروں کو ٹھنڈک پہنچا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہمیں ارشادِ باری تعالیٰ یاد رکھنا چاہیے کہ: "اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے"۔ (الانفال:72) مگر آج ہم مدد تو کیا ان کی آواز سننے کے بھی روادار نہیں۔ ایسے ماحول میں مسلم ممالک کی خاموشی صرف سیاسی نہیں بلکہ روحانی شکست ہے۔ یہ ہماری وحدتِ امت کے نعروں کا جنازہ ہے۔ ہم نے اپنے درمیان وہ دیواریں کھڑی کر لی ہیں جو ہمارے دشمن بھی نہ بنا پائے۔ کہیں عرب و عجم کا فاصلہ، کہیں ذات برادری کی تقسیم، کہیں زبان و نسل کی بنیاد پر نفرت۔ یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے طیارے مغربی دارالحکومتوں کے چکر تو لگا رہے ہیں مگر خرطوم کی مٹی میں جلتے انسانوں کے لیے ایک قدم نہیں اٹھا پا رہے۔ ہمارے میڈیا چینل تفریحی شو نشر کر رہے ہیں مگر سوڈان کی خبر ان کی ترجیحات میں کہیں دفن ہے۔ کاش! ہم یہ سمجھ پاتے کہ سوڈان کی آگ صرف سوڈان کی نہیں یہ وہ شعلہ ہے جو کسی دن ہمارے اپنے گھروں تک پہنچ سکتا ہے۔ ظلم جب ایک خطے میں طاقت پکڑتا ہے تو اس کی تپش پوری امت کو جلا دیتی ہے۔ آج اگر ہم نے سوڈان کے لیے آواز نہ اٹھائی تو کل یہ آگ ہمارے اپنے دروازوں پر دستک دے گی۔ اپنے اتحاد کو صرف نعروں سے نہیں بلکہ عمل سے ثابت کریں۔ مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ اپنے سیاسی اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر انسانیت کی خاطر متحد ہوں۔ سوڈان کے مظلوم چہروں پر پڑی خاک ہماری غیرت کو پکار رہی ہے۔ یاد رکھیں! قومیں اپنے اسلحے سے نہیں اپنے احساس سے زندہ رہتی ہیں۔ اگر احساس مر جائے تو وجود کا کوئی معنیٰ باقی نہیں رہتا۔ سوڈان کے ملبے سے اٹھتی آہیں ہمیں یاد دلا رہی ہیں کہ ہم سب ایک ہی جسم کے اعضاء ہیں۔ اگر ایک حصہ زخمی ہو تو دوسرا کیسے سکون میں رہ سکتا ہے؟ ■■■■■

یاد ماضی

حمورابی اور اس کے قوانین

مہتاب پیامی

تمدنی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کے کارنامے صدیوں کی گرد کے باوجود روشن رہتے ہیں۔ حمورابی کا نام ایسی ہی شخصیات میں شامل ہے، وہ قدیم بابل کا چھٹا بادشاہ تھااور قیاساً 1792 قبل مسیح سے 1750 قبل مسیح تک بابل کا حکمران رہا۔ تاہم اس کی اہمیت صرف ایک حکمران کے طور پر نہیں، بلکہ ایک ایسے قانون ساز اور مصلح کی صورت میں ہے جس نے معاشرے کو عدل و انصاف اور ریاستی نظام کے مضبوط اصول وقوانین فراہم کیے۔

حمورابی کا تعلق اموری قبیلے سے تھا۔ اس کے والد سن مبلت بابل کے حکمران تھے، اور ان کی وفات کے بعد عین عالمِ شباب میں حمورابی نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس وقت بابل کی سلطنت بہت بڑی نہ تھی، بلکہ اصل میں اس وقت بابل اردگرد کی کئی طاقتور ریاستوں کے درمیان محض ایک چھوٹا اور کمزور شہر تھا۔ حمورابی کی سیاسی بصیرت اور جنگی حکمت عملی نے آہستہ آہستہ اس کمزور ریاست کو بین النہرین کی مرکزی قوت میں تبدیل کر دیا۔ اس نے پہلے ہمسایہ ریاستوں سے معاہدات کیے، پھر مناسب وقت پر لارسا، ماری، اشور، ایسن اور ایلام جیسی بڑی طاقتوں کو شکست دے کر پورے جنوبی اور وسطی عراق کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، اس طرح بابل پہلی بار ایک مضبوط اور متحد سلطنت بن کر ابھرا۔

حمورابی کی اصل شہرت اس کی قانون سازی سے ہے۔ اس کا مرتب کردہ قانون جسے ''قانونِ حمورابی'' کہا جاتا ہے، انسانی تاریخ کے اولین تحریری قانونی نظاموں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ قانون ایک سیاہ ڈائیورائٹ کے پتھر پر کندہ تھا، جس میں معاشی معاملات، عدالتی فیصلوں، خاندانی حقوق، تجارت، زراعت، جرائم اور ان کی سزاؤں تک ہر بات واضح تھی۔ اس قانون کا بنیادی اصول عدل اور توازن تھا۔ مشہور جملہ ''آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت'' اسی قانونی تصور کی تعبیر سمجھا جاتا ہے۔ حمورابی چاہتا تھا کہ کوئی شخص قانون سے ناواقفیت کا سہارا نہ لے سکے، اس لیے اس نے یہ قانون عوام کے سامنے واضح اور تحریری شکل میں پیش کیا۔

اس کے دور میں ریاستی نظم اور شہری سہولیات بھی خاصی بہتر ہوئیں۔ نہریں تعمیر ہوئیں، زراعت مستحکم ہوئی، فوجی نظام مضبوط کیا گیا، اور شہر علمی وثقافتی رنگ میں پروان چڑھے۔ اس طرح بابل صرف سیاسی ہی نہیں، تہذیبی طور پر بھی ایک روشن مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔

حمورابی کی وفات 1750 ق م کے قریب ہوئی، مگر اس کی میراث اس کے بعد بھی زندہ رہی۔ آج بھی اسے عادل حکمراں کے طور پر جانا جاتا ہے ۔ بطور حکمراں اس نے یہ تصور دیا کہ ریاست تلوار سے زیادہ قانون اور انصاف پر قائم ہوتی ہے۔

حمورابی کے قوانین:

حمورابی کے قوانین کو کو بابلی قوانین کے مکمل مجموعہ کے طور پر جانا جاتا ہے ۔ یہ مجموعہ حمورابی کے قانونی فیصلوں پر مشتمل ہے جو اس کے دور حکومت کے اختتام پر پتھر کی ٹیبلٹ پر ریکارڈ کیے گئے تھے۔ یہ ٹیبلٹ (تختی) بابل کے قومی دیوتا ''مردوک'' کے مندر میں رکھی گئی تھی۔ اس میں بہت سے مسائل سے متعلق

282 قوانین شامل ہیں، جیسے قیمتوں اور تجارت سے متعلق اقتصادی دفعات؛ خاندانی قوانین، جیسے شادی اور طلاق؛ حملہ اور چوری سے متعلق فوجداری قوانین؛ اور سول قوانین، جیسے غلامی اور قرض۔ ان مسائل سے متعلق سزائیں مجرموں کی حیثیت اور جرائم کے حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہیں۔

ضابطہ حمورابی میں بہت سے مسائل سے متعلق قوانین کا ایک سلسلہ شامل ہے، جیسے غلامی، قرض، شادی، وراثت، اور تجارتی قوانین، اس کے علاوہ بہت سے ایسے قوانین جو جرائم کے لیے سزا کی ڈگریوں کا تعین کرتے ہیں۔ ہم اس کے بعض قوانین کو اختصار کے ساتھ ذیل میں نقل کرتے ہیں:

عدل و انصاف کے عمومی اصول:

❁ قانون سب کے لیے برابر ہے، چاہے حاکم ہو یا رعایا۔ ❁ کسی فرد پر الزام بغیر ثبوت کے ثابت نہیں ہوگا۔ ❁ جھوٹی گواہی سخت جرم ہے اور اس پر سخت سزا مقرر ہے۔ ❁ قاضی کے فیصلے کو تبدیل کرنا جرم ہے، اور غلط فیصلہ کرنے والے قاضی کو عہدے سے ہٹادیا جائے گا۔

خاندان اور گھرانے سے متعلق قوانین:

❁ نکاح ایک باقاعدہ معاہدہ ہے، زبانی نہیں۔ ❁ شوہر بیوی کی مالی اور جسمانی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ ❁ بیوی شوہر کے گھر اور عزت کی محافظ سمجھی گئی۔ ❁ اگر بیوی بے قصور ثابت ہوجائے تو اس پر الزام لگانے والا سزا پائے گا۔ ❁ طلاق کی صورت میں بیوی کے حقوق (مہر، نان و نفقہ) کی ادائیگی لازم ہے۔ ❁ بچوں کی پرورش اور وراثت میں انصاف ضروری ہے۔ ❁ گود لیے گئے بچے کو حقیقی بیٹے کے برابر حقوق ملیں گے۔

املاک و جائیداد کے قوانین:

❁ زمین کی ملکیت دستاویزی ہونی چاہیے۔ ❁ اگر کوئی زمین کاشت کے لیے لے مگر کاشت نہ کرے تو وہ زمین واپس لی جائے گی۔ ❁ نہر یا آب پاشی کے نظام میں غفلت کی وجہ سے پیدا ہونے والا نقصان مجرم سے وصول ہوگا۔ ❁ عمارت کی حفاظت کی ذمہ داری کاریگر پر ہے۔ ❁ اگر کاریگر کی خرابی سے گھر گر جائے اور کسی کی جان جائے تو کاریگر کو موت کی سزا اور گھر دوبارہ بنانے کی ذمہ داری اسی پر۔

تجارت و کاروبار کے قوانین:

❁ خرید و فروخت میں دھوکا (فراڈ) سنگین جرم ہے۔ ❁ ناپ تول میں کمی کی سزا جرمانہ یا کاروباری اجازت کی ضبطی ہے۔ ❁ سود کی حد مقرر ہے؛ حد سے زیادہ سود لینا جرم ہے۔ ❁ قرض لینے والا دیوالیہ ہو تو اس کے اہلِ خانہ کو غلام بنانے کی اجازت محدود مدت کے لیے تھی (زیادہ سے زیادہ 3 سال)۔

نوکری، اجرت اور محنت سے متعلق قوانین:

❁ کسان، مزدور، لوہار، بڑھئی اور چرواہے کی اجرت مقرر ہے۔ ❁ چرواہا اگر جانوروں کا نقصان اپنی غفلت سے کرے تو بھرپائی کرے گا۔ ❁ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کی جائے۔

چوری اور ڈاکہ سے متعلق قوانین:

❁ چوری بڑا جرم ہے، اور کئی حالتوں میں سزائے موت مقرر ہے۔ ❁ اگر چوری شدہ مال کسی کے گھر میں مل جائے تو گھر کا مالک مجرم ہوگا۔ ❁ ناداری یا بھوک کی وجہ سے چور پر ہلکی سزا مقرر تھی (یہ انصاف کی بڑی مثال ہے)۔ ❁ مندر کی اشیا چرانا سنگین ترین جرم اور اس کی سزا سخت ترین تھی۔

قتل اور جسمانی نقصان کے قوانین:

❁ جان بوجھ کر قتل کی سزا قتل ہے۔ ❁ غلطی سے قتل کی صورت میں دیت (مالی تاوان) لازم ہے۔ ❁ ایک شخص کی وجہ سے دوسرے کے اعضا ضائع ہونے پر اسی کے برابر بدلہ یا مالی معاوضہ دیا جائے گا۔ ❁ باپ اپنے بیٹے کے جرم میں سزا کا مستحق نہیں، اور بیٹا باپ کے جرم میں نہیں۔

غلامی اور انسانی حقوق سے متعلق قوانین:

❁ کسی آزاد شخص کو غلام بنانا جرم ہے۔ ❁ غلام اگر قابلیت دکھائے تو آزادی کا حق حاصل کر سکتا ہے۔ ❁ غلام کو بغیر وجہ سزا دینا منع ہے؛ غلام بھی انسان ہے۔

عدالت اور گواہی کے قوانین:

❁ گواہی حلف کے ساتھ دی جائے۔ ❁ جھوٹی گواہی دینے والے کو اسی سزا کا سامنا کرنا ہوگا جس سزا کا خطرہ ملزم پر تھا۔ ❁ عدالت کا فیصلہ سب کے لیے حتمی ہے۔

زراعت اور آب پاشی کے قوانین:

❁ اگر کوئی کسان نہر کا بند کھول دے اور پانی سے دوسروں کی فصلیں خراب ہوں تو نقصان وہ خود پورا کرے گا۔ ❁ اگر پانی کی زیادتی سے نقصان بے احتیاطی کے بغیر ہوا ہو تو بوجھ اجتماعی ہوگا۔ ❁ بیج حکومت کی مقررہ شرح پر ملے گا اور قرض کی ادائیگی فصل کے حساب سے ہوگی۔ ❁ زمین بٹائی پر دینے کی صورت میں پیداوار کا طے شدہ حصہ مالک کو دیا جائے گا۔ ❁ اگر فصل قدرتی آفت سے برباد ہو جائے تو کسان پر قرض کا بوجھ سست رفتار میں ادا کرنے کا حق ہے۔

تجارت اور ذخیرہ اندوزی کے متعلق قوانین:

❁ ذخیرہ اندوزی جرم ہے، خصوصاً خوراک اور اجناس میں۔ ❁ بازار کی قیمتیں حکومتی تحریری فیصلے کے مطابق مقرر ہوں گی۔ ❁ اگر کوئی تاجر قرض لے کر بھاگ جائے تو اس کے شریک یا ضامن ذمہ دار نہیں ہوں گے، بلکہ تاجر خود مجرم ہو گا۔ ❁ بیواؤں اور یتیموں کا مال تجارت میں لگانے سے پہلے عدالتی اجازت ضروری ہے۔

بحری و زمینی سفر اور قافلوں کے قوانین:

❁ دریائی سفر میں جہاز کو نقصان جہاز ران کی ذمہ داری ہے، بشرطے کہ نقصان اس کی غلطی سے ہو۔ ❁ اگر جہاز ڈوب جائے مگر مال محفوظ ہو تو جہاز ران مال واپس کرے گا۔ ❁ مسافر قافلوں کی حفاظت حکومتی نگرانی میں ہوگی۔

طبی اور علاج کے قوانین:

❁ اگر حکیم یا طبیب کا علاج مریض کی جان لے لے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ ❁ اگر علاج سے مریض کی آنکھ یا عضو ضائع ہو جائے تو نقصان کا معاوضہ یا بدلہ لازم ہے۔ ❁ اگر مریض پہلے سے لاعلاج ہو تو طبیب بری الذمہ ہوگا؛ یعنی سزا نہیں۔ ❁ دائی کی غفلت سے بچہ مر جائے تو اس پر جرمانہ اور دوبارہ کام سے روکنے کی سزا تھی۔

مویشی اور مال مویشی کے بارے میں قوانین:

❁ چرواہے کی لاپرواہی سے جانور گم یا مر جائیں تو چرواہا تاوان ادا کرے گا۔ ❁ اگر چرواہا مالک کی مرضی کے خلاف جانور کو کسی اور چراگاہ میں لے جائے تو جرمانہ ہوگا۔ ❁ بیل یا گھوڑا اگر دوسرے کی فصل خراب کرے تو مالک ذمہ دار ہوگا۔

غلامی سے متعلق مزید قوانین:

❁ غلام کو کسی بھی جرم کی سزا جدید قانون کی طرح یکساں نہیں تھی؛ لیکن حمورابی نے واضح کیا کہ غلام انسان ہے، محض چیز نہیں۔ ❁ اگر غلام پر ظلم ثابت ہو جائے تو مالک کو سزا یا جرمانہ دیا جا سکتا ہے۔ ❁ اگر کوئی غلام ایک نئی جگہ پر اپنی قابلیت ثابت کرے، تو آزادی کا حق مل سکتا ہے۔

مذہب اور معابد کے قوانین:

❁ مندر کی اشیاء کی حفاظت ریاست اور پجاری کی مشترکہ ذمہ داری تھی۔ ❁ مندر یا مذہبی اوقاف کی زمین فروخت یا گروی نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ ❁ مذہبی مقامات کی توہین سنگین ترین جرم تھا، جس کی سخت ترین سزائیں تھیں۔

معاشرتی اخلاق اور نظم کے قوانین:

❁ والدین کی بے ادبی کرنا قابلِ سزا جرم تھا۔ ❁ استاد کی توہین یا سرکاری منصب دار کی حکم عدولی، عدالتی جرم شمار ہوتی تھی۔ ❁ کوئی شخص جھگڑے میں خود انصاف نہیں کرے گا؛ عدالت ہی فیصلہ کرے گی۔

قرض اور مالی ذمہ داری کے قوانین:

❁ اگر کوئی شخص قرض لیتے وقت اپنی زمین یا مکان ضمانت رکھے تو قرض کی مدت پوری ہونے تک وہ زمین قرض خواہ کی ملکیت میں شمار نہیں ہوگی، صرف زیرِ استعمال رہے گی۔ ❁ دیوالیہ ہونے کی صورت میں قرض خواہ صرف پیداوار کا حصہ لے سکتا ہے، جائیداد ضبط نہیں کر سکتا۔ ❁ اگر کوئی شخص قرض ادا نہ کر سکے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ تین سال کے لیے اس کا گھرانہ محنت مزدوری کرے گا؛ اس کے بعد قرض ختم ہو جائے گا۔ یہ قانون اس زمانے کے لیے بہت انسانی اور نرم سمجھا جاتا ہے۔

تجارت اور مال کے تبادلے کے مزید قوانین:

❁ ہر تجارت گواہ اور تحریر کی موجودگی میں ہوگی۔ ❁ بغیر گواہ کے خریدی یا بیچی گئی چیز پر مقدمہ قائم نہیں ہو سکے گا۔ ❁ اگر کوئی تاجر مال کی قیمت چھپا کر زیادہ رقم لے تو اس پر دگنا جرمانہ ہوگا۔ ❁ سرکاری تاجر (جسے بادشاہ مقرر کرے) کا حساب ہر سال ریاست کے سامنے پیش کرنا ضروری تھا۔

سفر، رہائش اور سرائے کے قوانین:

❁ کاروان سرائے کا مالک مسافروں کے سامان کا محافظ ہوگا۔ ❁ اگر اس کی غفلت سے سامان چوری ہو جائے تو وہ فرائض کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا اور نقصان کی تلافی کرے گا۔ ❁ قافلے پر حملہ کی صورت میں نقصان ریاست پورا کرے گی، کیوں کہ حفاظت اس کی ذمہ داری ہے۔

جانوروں کے نقصان کے متعلق مزید قوانین:

❁ اگر کسی شخص کا کتا یا شکار کا جانور کسی کو زخمی کرے، تو مالک ذمہ دار ہوگا اور معاوضہ ادا کرے گا۔ ❁ اگر بیل سینگ مار کر کسی کو زخمی کرے، اور پہلے بھی ایسا ہوا ہو تو مالک کو سخت سزا دی جائے گی کیوں کہ یہ غفلتِ مسلسل ہے۔

خواتین کی عزت اور عفت کے متعلق قوانین:

❁ جھوٹا الزام (خصوصاً عورت کی پاک دامنی کے خلاف) سنگین جرم تھا اور اس پر سخت سزا دی جاتی تھی۔ ❁ اگر عورت پر بدکاری کا الزام لگے اور وہ دریا کے امتحان (Trial by Water) سے بے گناہ ثابت ہو جائے تو الزام لگانے والا سزا پاتا تھا۔ ❁ زبردستی عورت کو قید یا محفوظ مقام سے لے جانا قتل یا موت کی سزا کے ساتھ جرم تھا۔

بیواؤں اور یتیموں کے تحفظ کے قوانین:

❁ بیوہ کے پاس مہر اور وراثت محفوظ حق ہیں، کوئی رشتہ دار یا شوہر کا خاندان ان حقوق کو چھین نہیں سکتا۔ ❁ یتیم کا مال تجارت میں لگانے والے کو عدالت کے سامنے حساب دینا ہوگا۔ ❁ یتیم کے مال میں خیانت بڑا جرم تھا اور اس پر بھاری مالی جرمانہ + سماجی بائیکاٹ لازم تھا۔

معاہدات اور دستاویزی تحریر کے قوانین:

❁ کوئی بھی اقتصادی یا سماجی معاہدہ گواہوں اور تحریری دستاویز کے بغیر معتبر نہیں ہوگا۔ ❁ اگر معاہدہ تحریری ہو اور بعد میں کوئی فریق انکار کرے تو دستاویز فیصلہ کن دلیل ہوگی۔ ❁ اگر فریقین نے معاہدہ زبانی کیا اور جھگڑا کھڑا ہو گیا تو گواہوں کی گواہی فیصلہ کرے گی۔ ❁ اگر گواہ جھوٹی شہادت دے تو وہی سزا اس پر نافذ ہوگی جو ملزم پر عائد ہونے والی تھی۔ یہ قانون انصاف کے توازن کی اعلیٰ مثال ہے۔

کرایہ داری اور خدمات کے قوانین:

❁ کرائے کی زمین کا کرایہ پیداوار کے تناسب سے ادا ہوگا۔ ❁ اگر کرایہ دار زمین کی مناسب دیکھ بھال نہ کرے تو نقصان وہ خود پورا کرے گا۔ ❁ کرائے کا گھر اگر کرایہ دار کی غفلت سے خراب ہوا تو مرمت کرایہ دار کرے گا۔ ❁ اگر گھر قدرتی آفت سے ٹوٹ جائے تو مالک ذمہ دار نہیں۔

اسلحہ اور جنگی ساز و سامان کے قوانین:

❁ جنگی ہتھیار ریاست کی ملکیت سمجھے جائیں گے۔

❁ فوجی سازوسامان کو نجی تجارت میں بیچنا یا اسمگل کرنا سنگین جرم تھا۔ ❁ اگر فوجی سپاہی جنگ سے بھاگ جائے تو اس کی اعزازی زمین ضبط کرلی جاتی تھی۔ ❁ سپاہی کی شہادت کے بعد اس کے خاندان کو راشن اور زمین ریاستی تحفظ کے تحت فراہم کی جاتی تھی۔ ❁ یہ قانون شہدا کے خاندان کی سماجی کفالت کا قدیم ترین ثبوت ہے۔

چوری، اغوا اور قید سے متعلق مزید قوانین:

❁ بچے کا اغوا سزائے موت کے درجے کا جرم تھا۔ ❁ غلام یا خادمہ کو چوری کے لیے بھڑکانا جرم + جرمانہ + سزا کا باعث بنتا تھا۔ ❁ چور اگر چوری کرتے ہوئے مارا گیا تو اس پر مقتول کا خون بہا واجب نہیں تھا۔ ❁ مگر اگر چور پکڑا جائے تو چوری شدہ مال سے دگنی قیمت ادا کرے گا؛ نہ کر سکے تو سخت سزا ہوگی۔

عدالت اور وکلا کے کردار کے قوانین:

❁ مقدمہ کھلی عدالت میں سنا جائے گا، بند کمروں میں نہیں۔ ❁ وکیل کا فرض تھا کہ ثبوت اور قانون کی وضاحت پیش کرے؛ جھوٹ پر مبنی وکالت جرم تھی۔ ❁ قاضی کے فیصلے کے خلاف اپیل کا حق محدود مگر موجود تھا — مگر بلا دلیل اپیل جرم سمجھا جاتا تھا۔

وراثت اور تقسیمِ جائیداد کے مزید تفصیلی قوانین:

❁ وراثت خاندانی درجہ بندی کے تحت تقسیم ہوگی: پہلے بیٹے، پھر بیٹیاں، پھر بھائی، پھر خاندان کے قریبی مرد۔ بیٹی کو جزوی وراثت مگر مہر کے برابر مالی تحفظ کا حق دیا جاتا تھا۔ ❁ اگر وراثت میں اختلاف ہو جائے تو فیصلہ مقامی عدالت کرے گی۔ ❁ کسی وارث کو جان بوجھ کر محروم کرنے والا شخص قانوناً مجرم ہوگا۔

پیشہ ور کاریگروں کے قوانین:

❁ لوہار، بڑھئی، معمار، سنار وغیرہ کی اجرت متعیّن تھی — وہ اپنی مرضی کی قیمت نہیں لے سکتے تھے۔ ❁ کاریگر اپنی چیز کے عیب چھپانے کا مجرم قرار پاتا تھا۔ ❁ اگر لوہار نے ایسا ہتھیار تیار کیا جو لڑائی میں ٹوٹ گیا اور مالک قتل یا زخمی ہو گیا، تو پیشہ ور ذمہ دار ہوگا۔ ❁ کاریگر کی ذمہ داری اُس کے کام کے معیار کے برابر تھی۔

تعلیم و تربیت کے قوانین:

❁ استاد کی عزت قانونی طور پر محفوظ تھی۔ ❁ شاگرد کا استاد کو گالی دینا یا مارنا جرم تھا۔ ❁ استاد شاگرد پر ظلم اور بے جا سزا نہیں دے سکتا تھا؛ ایسا ثابت ہو جانے پر اسے سزا ملتی تھی۔ یہ قانون اس بات کی دلیل ہے کہ حمورابی صرف سخت سزا نہیں بلکہ سماجی توازن کا بھی قائل تھے۔

بعض دیگر قوانین:

❁ اگر کوئی غلام اپنے آقا کی بات نہیں مانتا تو تفتیش کار اسے محل میں لے جا کر اس سے تفتیش کرے اور پھر اسے اس کے آقا کے پاس واپس کرے۔ ❁ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا قرض دار ہے، اور اس کی فصل طوفانوں کی زد میں آجائے، یا ناکام ہو جائے، یا سال بھر میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے نہ بڑھے، تو وہ اپنے قرض خواہ کو اس سال میں کوئی غلہ نہیں دے گا اور نہ ہی کرایہ ادا کرے گا۔ ❁ اگر کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرتا ہے اور وہ اس سے بچے پیدا کرتی ہے اور پھر مر جاتی ہے تو اس کا جہیز اس کے بچوں کو جاتا ہے نہ کہ اس کے باپ کو۔ ❁ اگر کوئی آدمی دوسرے آدمی کی آنکھ نکالتا ہے تو اس کی آنکھ نکال دی جائے گی۔ ❁ اگر کوئی مرد حاملہ عورت کو مارتا ہے، اور اس کے نتیجے میں اس کا جنین ضائع ہو جاتا ہے، تو وہ اس کے نقصان کے معاوضے کے طور پر دس مثقال ادا کرے گا۔ ❁ اگر کوئی ڈاکٹر مریض کی ٹوٹی ہوئی ہڈی کا علاج کرتا ہے تو مریض اسے پانچ شیکل ادا کرے گا۔ ❁ یہ قانون کہتا ہے کہ اگر کوئی ویٹرنری سرجن گدھے یا بیل کا آپریشن کرتا ہے، تو جانور کا مالک سرجن کو علاج کے لیے ایک مثقال کا چھٹا حصہ ادا کرے گا۔

▪▪▪▪

حفظانِ صحت

جسمانی طہارت کی طاقت

ڈاکٹرام فرح (ایم ڈی ڈرمیٹولاجی)

انٹی میٹ ہائی جین (جسمانی صفائی) صرف صاف رہنے کا نام نہیں بلکہ تازگی، اعتماد، اور راحت محسوس کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ بہت سی خواتین میں صفائی کی عادت اُن کے خاندان، ثقافت، اور ذاتی انتخاب سے تشکیل پاتی ہے۔ باوجود اس کے آج کی فروغ پزیر انفارمیشن ٹیکنالوجی، سوشل میڈیا، اور جدید مصنوعات کے ساتھ، جسمانی نگہداشت معمول سے بڑھ کر خود سے محبت اور خوداعتمادی کی علامت بن چکی ہے۔ اپنے جسم کی دیکھ بھال کا طریقہ سمجھنا، آپ کو روزانہ، اندرونی اور بیرونی طور پر، بہترین محسوس کرنے میں مدد دیتا ہے۔

ہر عورت کے لیے صحت وصفائی کے مشورے:

1. روزانہ غسل کریں، غسل سے آپ خود کو تازہ دَم محسوس کریں گی البتہ سخت صابن کے استعمال اور ضرورت سے زیادہ جلد کو رگڑنے سے پرہیز کریں، کیوں کہ یہ اچھے بیکٹیریا کے قدرتی توازن کو بگاڑ سکتا ہے۔

2. بدن کے پوشیدہ مقامات اور شرم گاہ کی صفائی کی خاص خیال رکھیں، اپنے پوشیدہ حصوں کو ہلکے پانی سے نرمی کے ساتھ دھوئیں، خاص طور پر حیض (پیریڈ) کے دوران یا گرمی کے موسم میں۔ اگر ضرورت ہو تو ہلکا pH متوازن کلینزز استعمال کیا جا سکتا ہے، مگر صرف بیرونی حصے (ولوا) پر۔

3. صفائی کا صحیح طریقہ اپنائیں، ہمیشہ بیت الخلا کے بعد آگے سے پیچھے کی سمت میں صاف کریں۔ یہ سادہ عادت پیشاب کی نالی کے انفیکشن (UTI) سے بچاتی ہے۔ یہی عمل مباشرت کے بعد بھی کریں، اور بعد میں ہاتھ اچھی طرح دھونا نہ بھولیں۔

4. ماہواری کے دنوں میں صفائی بہت ضروری ہے! اپنا سینیٹری پیڈ ہر 4 سے 8 گھنٹے میں بدلیں، ٹیمپون ہر 8 گھنٹے میں، اور زیر جامہ روزانہ تبدیل کریں۔ اگر آپ مینسٹرول کپ استعمال کرتی ہیں، تو اسے استعمال سے پہلے اور بعد میں ابلتے ہوئے پانی سے جراثیم سے پاک کریں۔

5. تنگ یا مصنوعی کپڑے نمی اور گرمی کو روکتے ہیں، جس سے انفیکشن کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے نرم کاٹن کے کپڑے پہنیں، اور ورزش یا پسینہ آنے کے بعد فوراً کپڑے بدل لیں۔

6. عوامی بیت الخلا میں احتیاط کریں، وہ انفیکشن کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ ٹوائلٹ میں بیٹھنے سے پہلے ٹوائلٹ سیٹ سینیٹائزر یا ڈسپوزیبل کور استعمال کریں، اور ممکن ہو تو براہِ راست عوامی بیت الخلا کی دیواروں اور اس کے سامان کے استعمال سے بچیں۔

7. صحت مند غذا اور وافر پانی جسم اور پوشیدہ حصوں کو اندر سے توازن میں رکھتا ہے اور تازگی بخشتا ہے۔ اندام نہانی اور ولوا کی صحت کے لیے متوازن غذا انتہائی اہم ہے! ان غذاؤں کو اپنی خوراک میں شامل کریں جو اینٹی آکسیڈنٹس، وٹامن ای، وٹامن سی، اومیگا 3 اور اومیگا 6 فیٹی ایسڈز، پروٹین، اور پروبائیوٹکس سے بھرپور ہوں۔ یہ غذائی اجزا جسم کے قدرتی توازن کو برقرار رکھتے ہیں، قوتِ مدافعت بڑھاتے ہیں، اور پوشیدہ حصے کو صحت مند اور آرام دہ رکھتے ہیں۔

اینٹی آکسیڈنٹس بیریز، گرین ٹی، اور ڈارک چاکلیٹ میں پائے جاتے ہیں، جو نازک بافتوں کو نقصان سے بچاتے ہیں۔

وٹامن ای: بادام، بیج، اور ایووکاڈو میں موجود ہوتے ہیں، وٹامن ای جلد کو نرم اور مرطوب رکھتا ہے۔

وٹامن سی: مالٹے، کیوی، اور شملہ مرچ میں پایا جاتا

ہے، کولیجن بڑھاتا ہے اور قوت مدافعت مضبوط کرتا ہے۔

اومیگا 3 فیٹی ایسڈ: مچھلی (جیسے سامن)، چیا بیج، اور السی کے بیج میں پائے جاتے ہیں، سوزش اور خشکی کم کرتے ہیں۔

اومیگا 6 فیٹی ایسڈ: سورج مکھی کے تیل اور اخروٹ میں پائے جاتے ہیں، خلیوں کی ساخت کو برقرار رکھتے ہیں۔

پروٹین: انڈے، دال، اور دہی میں ہوتے ہیں، بافتوں کی مرمت اور جسمانی توانائی کے لیے مفید ہے۔

پروبائیوٹکس: دہی، لسی، اور خمیر شدہ غذاؤں میں پائے جاتے ہیں، جو اندام نہانی کے قدرتی pH کو برقرار رکھتے اور انفیکشن سے بچاتے ہیں۔

8. اپنے گائناکالوجسٹ سے باقاعدہ معائنہ کروائیں تاکہ سب کچھ درست رہے اور کوئی مسئلہ ہو تو وقت پر پتہ چل سکے۔

یاد رکھیں احتیاط بہر حال بہترین علاج ہے۔

9. حفاظتی ویکسین لگوائیں، HPV ویکسین سروائیکل کینسر سے بچاتی ہے، اور ہیپاٹائٹس بی ویکسین جگر اور عمومی صحت کی حفاظت کرتی ہے۔ یہ دونوں ویکسین ہر عورت کے لیے ضروری ہیں، خاص طور پر اُن کے لیے جو ازدواجی زندگی یا حمل کی منصوبہ بندی کر رہی ہوں۔

اپنی صحت کا خیال رکھنا صرف صفائی نہیں، بلکہ یہ خود کی دیکھ بھال ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی عادتیں روزانہ آپ کے اعتماد، آرام، اور صحت محسوس کرنے کے انداز میں بڑا فرق ڈال سکتی ہیں! سادہ عادتیں، جیسے نرمی سے صفائی کرنا، کاٹن کے زیر جامے پہننا، اور حیض (پیریڈز) کے دوران مناسب دیکھ بھال، انفیکشن اور بدبو کو روک سکتی ہیں۔ ان عادتوں کو اپنائیں اور اپنے گائناکالوجسٹ (ماہر امراض نسواں) اور ڈرماٹولوجسٹ (ماہر جلد) سے بات کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔ یاد رکھیں، اپنی جسمانی صحت کا خیال رکھنا خود سے محبت کا ایک چھوٹا سا عمل ہے جو روزانہ آپ کی زندگی میں ایک بڑا فرق پیدا کرتا ہے۔

■■

(ص:11 کا بقیہ) سجدت بها خلف أبي القاسم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فلا أزال أسجد بها حتى ألقاه[12] یعنی میں نے اس سورہ کی آیت سجدہ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا میں سجدہ کیا، تو آخری دم تک اس آیت پر سجدہ کرتا رہوں گا۔

15-سورۂ والتین

بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقرأ وَ التِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ في العشاء، وما سمعت أحدا أحسن صوتا منه أو قراءة.[13]

میں نے نماز عشا میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سورۂ والتین کی تلاوت کرتے سنا، میں نے آپ سے زیادہ کسی خوش گلو اور خوش الحان کو نہیں سنا۔ ■■■

مآخذ و مراجع

1-سنن بیہقی، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۴۷۷

2-صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الصبح، حدیث نمبر: ۱۰۵۰

3-صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ما یقرأ فی یوم الجمعۃ، حدیث نمبر: ۲۰۶۸

4-صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الصبح، حدیث نمبر: ۱۰۵۵

5-صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الصبح، حدیث نمبر: ۱۰۵۱

6-صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الصبح، حدیث نمبر: ۱۰۵۸

7-سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۳۱۰

8-صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الصبح، حدیث نمبر: ۱۰۵۷

9-صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الجهر فی المغرب، حدیث نمبر: ۷۶۵

10-صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب ما یقرأ به فی صلاۃ العیدین، حدیث نمبر: ۲۰۹۶

11-صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب القراءۃ فی المغرب، حدیث نمبر: ۷۶۳

12-صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الجهر فی العشاء، حدیث نمبر: ۷۶۶

13 صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب القراءۃ فی العشاء، حدیث نمبر: ۷۶۹

■■■

چراغ خانہ

دنیاوی چالیں اور عورت کا وقار

سلمٰی شاہین امجدی

آج کے زمانے میں ہر مسلمان، اور خاص طور پر مسلمان عورتوں کے لیے ایمان کی حفاظت ایک لازمی فریضہ اور سب سے بڑی جدوجہد بن چکی ہے۔ یہ دور نہ صرف ظاہری چیلنجز سے بھرا ہوا ہے بلکہ دل، نظر، زبان، اور عمل میں سرایت کرنے والے فتنوں سے بھی بھرپور ہے۔

عورت کے لیے یہ جدوجہد زیادہ نازک اور حساس ہے، کیوں کہ اس کی شخصیت، کردار، اور عملی زندگی نہ صرف ذاتی فلاح بلکہ پورے خاندان اور معاشرت کی بنیاد بنتی ہے۔

اسلام نے عورت کو محض جسمانی جمال یا زیب و زینت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی حیا، تقویٰ، علم، اخلاق، اور عمل کی بنیاد پر مقام دیا ہے۔ عورت کے کردار میں ایمان کی موجودگی نہ صرف اس کی ذاتی زندگی میں روشنی پیدا کرتی ہے بلکہ پورے معاشرے کو استحکام بخشتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورہ نور:31)

ترجمہ: اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی مِلک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگار اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

یہ آیت عورت کے لیے ایک جامع رہنمائی ہے ایمان، حیا، اور اخلاق کا تحفظ ہر مسلمان عورت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ حیا عورت کا زیور، اس کی طاقت، اور اس کی پہچان ہے۔ آج بعض عورتیں حیا کو صرف دنیاوی فیشن یا آزادی کے نام پر قربان کر دیتی ہیں، مگر تاریخ ہمیں واضح سبق دیتی ہے کہ حقیقی عزت اور وقار اللہ کی رضا میں ہے، نہ کہ دنیا کی تعریف میں۔

صحابیات کی مثالیں آج کی خواتین کے نام:

اسلامی تاریخ میں خواتین صحابیات نے ہمیں واضح پیغام دیا ہے کہ ایمان کے لیے صبر، استقامت، اور قربانی

بنت نعیم اللہ سابق ناظم اعلیٰ مدرسہ عزیزیہ ناشر العلوم ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ یوپی

لازمی ہیں۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگیوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایمان صرف اعتقاد نہیں بلکہ عملی جدوجہد اور اخلاقی معیار کا نام ہے۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام کی پہلی شہیدہ، اپنی ایمان داری اور اپنے ایمان کی استقامت کی وجہ سے آج بھی مومن کے لبوں پر ہیں۔ انہوں نے دنیاوی تکلیف اور جانی خطرات کے باوجود دین کی راہ میں ثابت قدمی اختیار کی حتی کہ جان دے دی لیکن شریعت مصطفی کو پامال نہیں کیا۔

حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہادری، شجاعت، اور علم کے ذریعے خواتین کے لیے عملی نمونہ قائم کیا، چاہے وہ جنگ کے میدان میں شامل ہونا ہو یا معاشرتی خدمات انجام دینا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا نے صبر، استقامت، اور ایمان داری کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں، اور یہ ثابت کیا کہ عورت کا مقام صرف گھریلو یا محدود فطری حدود میں نہیں بلکہ علم، کردار، اور عمل میں بھی بلند ہے۔

صحابۂ کرام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال نمایاں ہے، جن کی زندگی ہر مسلمان کے لیے سبق آموز ہے، خاص طور پر عورتوں کے لیے۔ انہوں نے ایمان کے لیے مال و جان قربان کیے، ہر مشکل میں حق کے ساتھ ڈٹے، اور اپنی زندگی کو دین کی خدمت میں صرف کیا۔

عورتیں ان سے یہ سبق حاصل کر سکتی ہیں کہ ایمان صرف اعتقاد نہیں بلکہ عمل اور استقامت کا نام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نصیحتیں اور تقویٰ بھی واضح رہنمائی پیش کرتے ہیں کہ معاشرت میں انصاف، تقویٰ اور دین کی حفاظت کیسے ممکن ہے۔

فتنۂ دوراں اور عورت:

آج کا دور وہ دور ہے جس میں فتنہ ہر سطح پر سرایت کر چکا ہے۔ یہ فتنہ نہ صرف باہر کی دنیا میں ہے بلکہ دل، نظر، زبان، اور معاشرت میں بھی داخل ہو چکا ہے۔ عورت کے لیے یہ فتنہ کئی جہتوں میں ظاہر ہوتا ہے، اور اس کی حفاظت کے لیے عقل، ایمان اور حیا کی یکجائی ضروری ہے۔ جن میں چند درج ذیل ہیں۔

1. بے حیائی اور فیشن کا فتنہ

جو کبھی عورت کی زندگی میں پردے کے پیچھے محدود تھا، آج وہ فتنہ ہر ہاتھ کی ہتھیلی تک پہنچ چکا ہے۔ سوشل میڈیا کے رنگین بلاگز، موبائل ایپلیکیشنز، اور فیشن کی چمک دمک نے حیا کو نہ صرف چھپا کر رکھنا ناممکن بنا دیا بلکہ اسے قابلِ دکھاوا، فخر، اور سماجی تعریف کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے۔ آج عورتیں اکثر اپنے وقار اور پردے کی حفاظت کے بجائے دنیا کی تعریف اور لائکس کی دوڑ میں مشغول ہیں، اور جو لوگ حیا اور اخلاق کو اپنی عزت سمجھتے ہیں، انھیں بھی محتاط نظر رہنا پڑتا ہے۔

یہ فتنہ اتنا باریک اور چالاک ہے کہ دل، نظر، زبان، اور عمل کے ہر گوشے میں داخل ہو جاتا ہے۔ کبھی جو چھپا رہتا تھا، آج اس کا مظہر ہر تصویر، ہر پوسٹ، ہر اسٹوری میں دکھائی دیتا ہے، اور معاشرتی معیار بدل کر عورت کی حیا اور وقار پر سوالیہ نشان لگاتا ہے۔

2. علم کے نام پر دین سے دوری:

تعلیم ایک عظیم نعمت ہے اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے، مگر اگر اس کا مقصد صرف دنیاوی کامیابی، شہرت یا مالی استحقاق ہو تو یہ عورت کے ایمان کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ آج کی بہت سی خواتین اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہیں، چاہے وہ ڈاکٹر، وکیل، انجینئر یا سیاست دان بنیں، مگر عملی دین

اور اخلاقی تربیت میں کمزور رہتی ہیں۔

ہمارے اسلاف میں بھی خواتین نے علم و ہنر کے بلند مقام حاصل کیے، صحابیات نے تعلیم، بہادری، رہنمائی، اور خدمت خلق کے ذریعے عظیم مثالیں قائم کیں۔

لیکن آج کے زمانے میں، جب عورت ڈاکٹر، وکیل، انجینیئر یا سیاست دان بنتی ہے اور معاشرت میں اعلیٰ مقام حاصل کرتی ہے، فوری طور پر بعض اوقات پردے اور حیا کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ ہمارے اردگرد ایسی کئی خواتین موجود ہیں جو دینی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی ہیں، مگر تعلیم یا کامیابی کے ساتھ ساتھ پردے اور حیا میں کمزوری دیکھنے کو ملتی ہے۔

تعلیم کا اصل مقصد صرف دنیاوی علم کا حصول نہیں، بلکہ اسے دین کی روشنی میں سمجھنا، دل و عمل میں اتارنا، اور معاشرت میں اس کے اثرات کو پھیلانا ہے۔ اگر علم صرف دنیاوی معیار کے لیے ہو، تو یہ روحانی اندھیروں میں دھکیل سکتا ہے، حیا اور ایمان پر سایہ ڈال سکتا ہے، جب کہ دین کے ساتھ مربوط تعلیم عورت کی شخصیت کو مکمل، مضبوط، اور کامیاب بناتی ہے۔

3. دوستی اور محفلوں کا فتنہ

آج کی عورت کی دوستی اور محفلیں اکثر دین کے مددگار نہیں بلکہ دلوں کو دنیا کی طرف مائل کرنے والے ہیں۔ بہت سی بہنیں لڑکوں سے دوستی کر لیتی ہیں، اور بعض مسلم بہنیں غیر مسلم دوستیاں بھی قائم کرتی ہیں، جو بعد میں شادی یا دیگر اہم فیصلوں میں مشکلات پیدا کر سکتی ہیں۔ اور مشکلات پیش آبھی رہی ہیں جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ بیٹیاں غیر مسلم کے ساتھ فرار ہو رہی ہیں۔

وہ محفلیں جو دن کے وقت نظر نہیں آتیں، رات کے وقت سوشل میڈیا اور موبائل کے ذریعے دلوں اور ذہنوں پر قبضہ کر لیتی ہیں، اور حیا و ایمان پر چھوٹا سا سایہ ڈال دیتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ والدین کہاں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟

قرآن کہتا ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ. (التغابن:15)

ترجمہ: تمھارے مال اور تمھارے بچے جانچ ہی ہیں اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

آج یہ آزمائش صرف مال و اولاد تک محدود نہیں، بلکہ موبائل، اسکرینز، خیالات اور دوستیاں بھی آزمائش بن چکی ہیں۔

4. خود نمائی اور مادیت کا فتنہ:

آج بعض عورتیں شادی بیاہ یا محافل میں ایک دوسرے سے بہتر دکھائی دینے کی کوشش میں مصروف رہتی ہیں۔ لباس، میک اپ، اور انداز حرکت میں مقابلہ، دل میں غرور اور خود نمائی کو جنم دیتا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی نمائشیں مادیت اور دکھاوے کی طرف مائل کرتی ہیں اور حیا کی روشنی کو مدھم کر دیتی ہیں۔ خود کو نمایاں کرنے کی یہ کوشش نہ صرف دل کو دنیا کی طرف کھینچتی ہے بلکہ ایمان اور اخلاق پر بھی اثر ڈالتی ہے۔

یاد رکھیں! عورت کے ایمان کی حفاظت صرف ذاتی نجات تک محدود نہیں بلکہ پورے گھر، خاندان اور معاشرت کی بقا سے جڑی ہے۔ آج کے زمانے میں بے شمار نئے فتنے جنم لے رہے ہیں۔ چاہے وہ خود نمائی اور مادیت کا فتنہ ہو، علم کے نام پر دین سے دوری ہو، یا محفلوں اور دوستوں کے ذریعے دلوں میں داخل ہونے والا فتنہ ہو۔ یہ سب معاشرتی بگاڑ اور اخلاقی زوال کا سبب بن رہے ہیں۔ مضمون کی طوالت سے بچنے کے لیے یہاں ہم صرف ان چند

اہم فتنوں پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

آج کے فتنوں اور دنیاوی چالوں کے زمانے میں عورت کے ایمان، حیا، اور اخلاق کی حفاظت ہر مرد و زن پر لازمی ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ عملی اقدامات کی جانب سنجیدگی سے قدم بڑھایا جائے تاکہ دل و دماغ اور عمل سب ایمان کی روشنی میں ڈھالے جائیں۔

اہم عملی اقدامات درج ذیل ہیں::

1. قرآن و سنت کو زندگی کا محور بنائیں: روزانہ کی تلاوت، ذکر، اور دعا کو معمول بنائیں۔ دل اور دماغ کو ایمان کی روشنی میں مضبوط کریں تاکہ ہر عمل اور فیصلہ تقویٰ اور بصیرت کے مطابق ہو۔

2. حیا اور پردہ کو اپنا زیور سمجھیں: یہ نہ صرف عورت کی شناخت اور وقار ہیں بلکہ اس کی روحانی طاقت بھی ہیں۔ پردے اور حیا کو پابندی یا بوجھ کے بجائے اپنی حفاظت اور عزت کا ذریعہ بنائیں۔

3. تعلیم کو دین کے تناظر میں استعمال کریں: دنیاوی علم حاصل کرنا مفید ہے، مگر اسے دل و عمل میں اتارنا ضروری ہے۔ عورتیں ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، یا سیاست میں رہنما بن سکتی ہیں، لیکن تعلیم کو دین کی روشنی میں استعمال کرنا اور عملی زندگی میں نافذ کرنا ایمان کی مضبوطی کا سبب بنتا ہے۔ صحابیات کی مثالیں ہمیں بتاتی ہیں کہ اسلام میں خواتین نے علم اور عملی خدمات دونوں میں بلند مقام حاصل کیا۔

4. محفلوں اور دوستوں میں محتاط رہیں: دوستیاں اور محفلیں تب تک مفید ہیں جب دل و دماغ کو دین کی راہ میں مضبوط کریں۔ لڑکوں یا غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات اور محفلیں بعض اوقات حیا اور ایمان پر اثر ڈال سکتی ہیں، اس لیے صحبت کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کریں۔

5. سوشل میڈیا اور آن لائن دنیا میں نیت خالص رکھیں: مواد کا انتخاب ہمیشہ مفید، نیکی اور علم و ہدایت پر مبنی کریں۔ لائکس، فالوورز، اور تصاویر کی خود نمائی کے جھانسے سے بچیں۔

6. گھر میں ایمان، اخلاق، اور حیا کے معیار قائم رکھیں: عورت کا کردار صرف ذاتی حدود میں محدود نہیں بلکہ پورے گھر اور خاندان کے لیے نمونہ ہے۔ عملی مثالیں قائم کریں تاکہ آنے والی نسلیں بھی اس روشنی سے منور ہوں۔

7. صحیح صحبت اور نیک دوستوں کا انتخاب کریں: نیک اور دین کے مددگار دوست شخصیت کو مضبوط کرتے ہیں اور فتنوں سے بچاؤ کا ذریعہ بنتے ہیں۔

صحابیات کی مزید مثالیں:

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس علم کو خاندان اور معاشرت میں نافذ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علمی خدمات، فتاویٰ کی رہنمائی، اور خواتین کی تربیت میں کردار نے اسلام میں خواتین کے لیے ایک مضبوط نمونہ قائم کیا۔ حضرت رقیہ اور حضرت نسیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جنگ میں حصہ لیا اور اسلامی ریاست کے دفاع میں عملی کردار ادا کیا، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ عورت کی ذمہ داری صرف گھریلو یا محدود نہیں، بلکہ معاشرتی اور علمی سطح پر بھی ہے۔

موبائل اور سوشل میڈیا نے فتنہ کو اندرون دل تک پہنچا دیا ہے۔ آج عورت کے لیے چیلنج یہ نہیں کہ باہر کے حالات کس طرح ہیں، بلکہ یہ ہے کہ دل، نظر، اور زبان میں یہ فتنہ کیسے داخل ہوا۔ سوشل میڈیا نے عبادت کو دکھاوا، حیا کو کانفیڈنس، اور اخلاق کو فیشن بنا دیا ہے۔ مگر اگر نیت خالص ہو، تو یہی پلیٹ فارم صدقہ جاریہ، علم و ہدایت کا ذریعہ، اور عمل صالح کی ترغیب بن سکتا ہے۔ (باقی ص:52 پر)

فکرونظر

سچا پیر کون؟

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

* جنوری 2025 کا عنوان— خواتین اسلام کا ارتداد اور اس کا سدباب
* جنوری 2026 کا عنوان— عصرِ حاضر میں امن اور محبت کی ضرورت

زیارتِ قبور اور گمراہ پیروں فقیروں کے شرعی احکام

از: مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری

مزارات پر عورتوں کی حاضری کی حقیقت:

زیارت قبور کے آداب کیا کیا ہیں، اس عہد میں یہ مسئلہ بڑا نازک بن گیا ہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس موضوع پر کئی فتاوے قلم بند فرمائے ہیں، ایک مستقل رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے جس کا نام ہے:

جُمَلُ النُّورِ فِي نَهْيِ النِّساءِ عَن زِيَارَةِ الْقُبُورِ.

(نور کے جملے، عورتوں کو زیارت قبور سے روکنے کے بارے میں) جس میں جواز زیارت پر جتنے دلائل عام طور سے پیش کیے جاتے ہیں ان کا جائزہ لیا اور بالآخر حکم ممانعت ہی کی صراحت فرمائی آج بھی کچھ لوگ ان سابقہ دلائل کو لے کر جواز کا قول کرتے اور مزارات پر عورتوں کی بھیڑ لگوانے میں دل چسپی لیتے ہیں، ذرا بھی دینی شعور ہو تو اس زمانہ شر و فساد میں کوئی باشعور عورتوں کو مزارات پر جانے کی اجازت ہرگز نہ دے، نماز جو اہم العبادات اور افضل الفرائض ہے جب اس کے لیے صحابہ و تابعین اور ائمہ دین نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع فرما دیا تو مزارات اولیا پر ان کو جانے دینے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، مگر افسوس کہ مزارات اولیا کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنانے والے اور کچھ دینی مزاج سے دور افراد پورا زور اس پر لگا رہے ہیں کہ عورتوں کو مزارات پر جانے کی کھلی اجازت دے دی جائے۔ ان کی ان حرکتوں پر بڑا افسوس ہوتا ہے اور زیادہ افسوس تو ان حضرات پر ہوتا ہے جو آج مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ بھی لگاتے ہیں اور مسلک رضا سے انحراف کو اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہیں۔ جس سے ان لوگوں کو شہ مل رہی ہے جو سرکار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ سے محض اس لیے بغض و عناد رکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے مزارات و قبور پر ہونے والی خرافات و بدعات کا قلع قمع کرنے کی بھرپور جد و جہد فرمائی ہے، ہر دو فریق کے لیے مختصراً یہ کتاب تازیانہ عبرت ہے۔

اب ذیل میں حرف آخر کے طور پر ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جو جامع ترمذی میں موجود ہے اور امام ترمذی خود اس

کے راوی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُورِ.

وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ هَذَا كَانَ قَبْلَ أَنْ يُرَخِّصَ النَّبِيُّ ﷺ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِي رُخْصَتِهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ : إِنَّمَا كُرِهَ زِيَارَةُ الْقُبُورِ لِلنِّسَاءِ ؛ لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ، وَكَثْرَةِ جَزَعِهِنَّ. (جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصۃ فی زیارۃ القبور، ص:125، ج۱، حدیث 1056، مجلس برکات مبارک پور)

امام ترمذی جو اصحاب صحاح ستہ سے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی حضرت قتیبہ نے انھوں نے کہا ہم سے حدیث کی روایت کی ابو عوانہ نے انھوں نے عمر بن ابی سلمہ سے وہ اپنے والد ابو سلمہ سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے ۔ امام ترمذی اس حدیث کو بیان کرکے فرماتے ہیں:

اس باب میں حضرت ابن عباس اور حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی حدیثیں آئی ہیں۔ پھر اس حدیث کا حکم بیان کرتے ہوئے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہ قول رخصت سے پہلے کا ہے پھر جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت قبور کی رخصت دی تو اس میں مرد عورت دونوں شامل ہو گئے۔

اور بعض اہل علم نے فرمایا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے اس لیے منع فرمایا کہ ان کے اندر صبر کا مادہ کم ہوتا ہے اور ان کے اندر جزع فزع (چیخ پکار اور گھبراہٹ کا اظہار) بہت ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف ج1 ص125)

یہ اس سلسلے میں ایک جامع اور معتدل قول ہے جس سے عورتوں کے لیے زیارت قبور کی کراہت ہی ثابت ہوتی ہے ،لعنت والی حدیث کو جن لوگوں نے قبل رخصت پر محمول کیا ہے وہ بلا دلیل ہے کیوں کہ جب قبل رخصت زیارت قبور کی ممانعت فرمائی تو اس میں مرد و عورت دونوں کی شمولیت تھی پھر صرف عورتوں کے لعنت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا اور قرین قیاس یہی ہے کہ جب ممانعت دونوں کو تھی تو رخصت بھی دونوں کو ہوئی، اب عورتوں کو اس رخصت سے خارج کرنے کے لیے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی پھر علما نے ممانعت کی علت بھی بیان فرمادی کہا کہ ان کے اندر صبر کم ہے اور جزع فزع رونا دھونا، شور شرابے کا مادہ بہت ہے اس لیے انھیں زیارت قبور سے منع کرنا ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔

اور جن بعض واقعات سے کچھ لوگ استدلال کرتے ہیں وہ صریح نہیں ہیں کہ بعدِ لعنت کے ہیں یا قبلِ لعنت، رخصت کے بعد کے۔ اس لیے قابل التفات نہیں۔

پھر بعد رخصت جب عورتوں کو صحابہ و تابعین اور ائمہ دین نے مساجد میں فرض عبادت کے لیے آنے سے روک دیا تو زیارت قبور کی رخصت کا کہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ مساجد میں اہم الفرائض کی ادائیگی مقصود تھی اور وہاں جزع فزع کا بھی اندیشہ نہ تھا اس لیے عورتوں کے لیے زیارت قبور کی ممانعت ہی قرین مصلحت ہے اور حدیث لعنت کا تقاضا بھی۔

پھر عرض ہے کہ جو لوگ بہت کھینچ تان کر عورتوں کے لیے جواز زیارت قبور کا قول کرتے ہیں اور انھیں قبور و مزارات اولیا پر جانے کی اجازت دیتے ہیں وہ بتائیں کہ یہ رخصت کیا پردے کے ساتھ ہے یا بے پردگی کے ساتھ، عام رواج بے پردگی کا ہے اور اجازت کے بعد انھیں باپردہ رہنے ، باپردہ آنے کا پابند کون بنائے گا، مرخصین (رخصت دینے والے) یا

مجاورین و گدی نشیں۔ آج کل جو عورتیں عرس یا غیر عرس میں مزارات اولیا پر حاضری دیتی ہیں وہاں کی بھیڑ بھاڑ میں اختلاط کے ساتھ شرکت کرتی ہیں ان کا کیا حال ہے ذرا غور تو کریں، ذیل میں اس کا ایک نقشہ پیش کیا جاتا ہے:

(1)اکثر عورتیں بے پردہ جاتی ہیں چہرے کا پردہ تو جانے دیجیے، آدھا سر ڈھکا آدھا کھلا بلکہ بعضوں کا پورا سر بھی کھلا ہوتا ہے جو حرام ہے۔

(2)کان مع زیورات کے کھلے ہوتے ہیں یہ بھی حرام و گناہ ہے۔

(3)کہنی سے کلائی تک تو نوے فیصد بلکہ اکثر عورتوں کا ہاتھ کھلا ہوتا ہے، کون اس کو جائز کہے گا۔

(4)گردن کا حصہ بھی بالعموم کھلا ہوتا ہے کہ گردن کا پردہ بھی فرض ہے۔

(5)سر کے پیچھے بالوں کی لٹیں یا منتشر بال کھلے ہوتے ہیں،اس کا حرام ہونا بھی ظاہر و واضح ہے۔

(6)عورتیں بالعموم چست لباس پہنے ہوتی ہیں اور جو دوپٹہ اوڑھتی بھی ہیں وہ اس قدر باریک ہوتا ہے کہ سر کے بال اور اعضا چمکتے ہوتے ہیں جو بالکل حرام و ناجائز ہے۔

(7)کتنی عورتیں بغیر محرم کے ہی عرس و مزارات تک جاتی ہیں یہ علیحدہ گناہ ہے۔

(8)بڑی بچیاں جو بلوغ کے قریب ہوتی ہیں وہ تو بہت زیادہ بے پردگی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ جب کہ ان کا بھی پردہ واجب ہے اور گارجین گنہ گار۔

یہ وہ بے پردگیاں اور بے حیائیاں ہیں جن سے زائرات کا بچنا شاذ و نادر ہی ہے، ایسے حالات میں جو حضرات عورتوں کو قبروں اور مزارات پر جانے کی وکالت کرتے ہیں وہ کیا اولیاء اللہ کے کردار کی ترجمانی کرتے ہیں یا فحاشی و بے حیائی کو فروغ دینے میں حصہ بٹاتے ہیں۔

عورتوں مردوں کا خلط ملط، مجاوروں کا ان بے پردہ عورتوں سے کھلے عام ملنا جلنا، نام نہاد پیر صاحبان کا بھی بسا اوقات ان بے پردہ عورتوں سے ملنا، مصافحہ کرنا، ہاتھ پاوں چومو انا ان سب پر مستزاد ہے۔

جوازِ زیارت نسواں پر زور دینے والے حضرات ذرا اسلام اور شریعت مطہرہ کو آواز دیں اور اپنی غیرت دینی کو واسطہ بنائیں تو شاید اپنی اس غلط فکر اور غیر شرعی سوچ سے ضرور توبہ کو کام میں لائیں۔ بازاروں میں عورتوں کو کھلے عام جانے سے ہم روک نہیں پاتے، کالج اور اسکول نے جو آفت ڈھائی ہے اور تعلیم کے نام پر بے پردگی کو جو فروغ مل رہا ہے اسے ہم بند نہیں کر پاتے، کم از کم اولیاء اللہ، عارفان حق جیسی پاکیزہ ہستیوں کے مقدس آستانوں کو تو محفوظ رکھیں ان کے یہاں کی ایمانی و روحانی فضا کو تو مکدر نہ کریں تاکہ عقیدت مند حضرات ان کے فیوض و برکات سے محروم نہ رہیں کہ اعراس کے انعقاد اور مزارات بزرگان دین پر حاضری کا اصل مقصد یہی ہے۔ افسوس کہ آج مزارات اولیا پر بھیڑ بھاڑ، میلا ٹھیلا اور اختلاط مرد و زن دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اصل مقصد اسی کو ٹھہرا لیا گیا ہے بلکہ اسی کو بنیاد بنا کر یہ کہ دیا جاتا ہے کہ عرس بہت کامیاب رہا۔

غیر شرعی اور جاہل پیروں فقیروں کی خیر نہیں:

جاہل،دین و مذہب سے آزاد فقیروں اور جھوٹے پیروں کا آج کل بہت دور دورہ ہے کچھ تو وہ ہیں کہ کفریات نہیں بکتے بس شریعت کا اتنا ہی لحاظ کرتے ہیں، باقی عملی دنیا میں ایسا لگتا ہے کہ ان کے یہاں سب کچھ جائز ہے ان میں بعض نام کے عالم بھی ہوتے ہیں اور بعض عالم نما پیر نمازوں کی پابندی نہیں اور اگر نماز پڑھ لی تو جماعت کا کچھ بھی خیال نہیں جب کہ مسجد انھیں کی، امام و مؤذن انھیں کے، دوری بھی نہیں اور بظاہر شرعی عذر بھی نہیں، بھلا یہ لوگ مریدین پر کیا اثر ڈالیں گے۔ عورتوں سے بے پردگی ان کے یہاں بھی عام ہے حتی کہ بعض مقامات پر قوالی

کی محفلوں میں بے پردہ عورتیں نذرانے لٹاتی اور پیر صاحب کے پیر بھی چھوتی چومتی نظر آتی ہیں اور پیر صاحب ہیں کہ منع کیا کریں مزہ لے کر انھیں موقع عنایت فرماتے ہیں، پردے کی تلقین، نماز کی تاکید تو بہت دور کی بات ہے۔ نیز دینی تعلیم اور احکام شرع کی پابندی کی طرف توجہ دلانا تو خواب وخیال کی بات ہے۔

انھی میں اپنی تصویریں بنوا کر مریدین کے گھروں میں آویزاں کرانا بھی ہے جب کہ جان دار کی تصویریں لگوانا بالکل حرام ہے، بعض پیر مریدین سے اپنے آگے سجدہ کراتے ہیں پھر تو مرنے کے بعد ضرور مریدین ان کی قبروں کو سجدہ کریں گے۔ سجدہ خدا کے علاوہ کسی کو زندگی میں بھی حرام ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ بعض پیروں کے دفتر میں چاروں طرف بزرگوں کی تصاویر دیکھی جاتی ہیں، یہ بھی صریح حرام ہے اور بت پرستی کا پیش خیمہ، اور فروغ وہابیت کا ذریعہ بھی کہ وہابی لوگ انھیں باتوں کو پیش کر کے اپنی طرف بلاتے ہیں اور پھر عقیدہ خراب کرتے ہیں۔

دوسری طرف وہ جھوٹے اجڈ اور مادر پدر آزاد پیر فقیر ہیں جو کھلے عام شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں بہت ہے، چوں کہ یہ شریعت کی کسی بات کا مریدین کو حکم ہی نہیں دیتے، نہ خود عمل کرتے ہیں اس لیے جاہل عوام خاص طور سے جاہل عورتیں بہت جلد ان کی مریدہ بن جاتی ہیں کہ بغیر نماز روزے کے مفت میں جنت مل جائے گی چلو یہی پیر اچھا ہے کون روزے نماز کے چکر میں پڑنے جائے۔ ایسے پیر مرید دونوں ہی قیامت میں بری مار مارے جائیں گے ان میں ہر ایک کاٹھکانا جہنم ہوگا، ایسے پیروں فقیروں کی حالت کیا ہے، ان کے عقائد و نظریات کیا ہیں جو مجھ تک پہنچے ہیں ان کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

(۱) شریعت اور ہے طریقت اور، ہم طریقت والے ہیں، پانچ وقت کی نماز تو شریعت والے پڑھتے ہیں یہ ظاہر بین مولوی کیا جانیں کہ طریقت کیا ہے، ہم تو ہر وقت نماز میں رہتے ہیں یہ صرف پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں ہمارا ان کا کیا مقابلہ؟ اس طرح کی گمراہی بہت عام ہوتی جا رہی ہے۔

(۲) روزہ وہ رکھے جس کے پاس کھانے پینے کو نہ ہو، ہمیں اللہ نے کھانے کی نعمت دی ہے ہمیں روزہ رکھنے کی کیا ضرورت؟ جو بھوکا ہو وہ روزہ رکھے، اگر ان کے کسی مرید نے روزہ رکھ لیا تو یہ تڑوا بھی دیتے ہیں۔

(۳) ظاہری مولوی لوگ تیس ہی پارے کا قرآن مانتے ہیں دس پارے تو ہمارے سینوں میں ہیں ان کو اس کی کیا خبر؟ جب کہ ایسا کرنا صریح کفر ہے کہ یہ فرض الٰہی کی توہین ہے۔

(۴) قربانی کیا ہے؟ بلا وجہ جانوروں کی جان لینا ہے، یہ کون سا اسلام ہے؟

(۵) اس کے برخلاف ان میں بعض تو وہ ہیں جو مرغے مرغی تک کی قربانی کے قائل ہیں العیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۶) کچھ کہتے ہیں پیر بھی وہی خدا بھی وہی یا کہتے ہیں پیر بھی تو خدا ہی ہے معاذ اللہ۔

(۷) ایک نئے ڈھنگ کے پیر کا آج کل اور پتہ چلا ہے جو ایک رکعت میں تین سجدہ کراتا ہے اور کہتا ہے دو خدا، ایک پیر کا۔

یہ اور اس طرح کے اور بھی کفریات یہ جھوٹے پیر بکتے ہیں اور ان کے مرید بھی ان سے سن کر اسی روش پر چلتے ہیں ان کے کفر میں کیا شک؟ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے پیروں کا مکمل بائیکاٹ کریں، ان کے یہاں بیاہ شادی میں ہرگز شرکت نہ کریں، ان سے میل جول نہ رکھیں، وہ مر جائیں تو ان کی جنازہ نہ پڑھیں، نہ مسلمانوں کے قبرستان میں انھیں دفن کریں، اس کے لیے پوری جرات کا مظاہرہ کریں اس سلسلے میں ذرا بھی تکلف نہ کریں۔

چند سال پیشتر ہمارے یہاں چریاکوٹ میں ایک پیر آیا چند آدمیوں کو مرید کر ڈالا، رشتہ داری بھی قائم کر لی، اس پیر اور مرید پر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے شارح بخاری فقیہ اعظم حضرت

علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ (سابق صدر مفتی) کا فتویٰ آیا جو مضمون کے آخر میں نقل کر دیا گیا ہے اس فتوے میں ہے کہ یہ لوگ توبہ و تجدید ایمان اور تجدید نکاح کریں، اگر ایسا نہیں کرتے تو ان سے قطع تعلق رکھا جائے، مریں تو انھیں بطریق مسنون دفن نہ کیا جائے، ایک گڑھے میں کہیں داب دیا جائے، چنانچہ ایک مرید کی موت واقع ہوئی خاندان والوں نے یوں ہی چھوڑ دیا۔ جب لاش سڑنے لگی تو اس کے بیٹے بہو نے گھر کے دیگر افراد سے بہت منت سماجت کی کہ اس کی جنازہ پڑھ کر قبرستان میں دفن کر دیا جائے مگر ان کی ایک نہ سنی گئی، بیٹے بہو کو توبہ کرائی گئی، دوبارہ نکاح کرایا گیا تب ایک گاڑی میں اس لاش کو لے جا کر ایک ندی کے کنارے گڑھا کھود کر داب دیا گیا۔ الحمد للہ اس کے بہتر اثرات ظاہر ہوئے، نہ وہ گمراہ گر پیر آج تک آیا نہ اس سے کوئی مرید ہوا بلکہ اس پیر کا یہاں سے صفایا ہی ہو گیا۔ دیگر مقامات کے اہل ایمان بھی اس پر عمل کریں ورنہ ان کے کفریات کو جان کر جو انھیں مسلمان سمجھے گا اور نماز جنازہ پڑھے گا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو اس مرتد اور دشمن اسلام کا بتایا گیا ہے۔ اسلام کا مذاق اڑانے والے اور شریعت کی مخالفت کرنے والے جھوٹی طریقت کا دم بھرنے والے پیر آج کل خوب پھیل رہے ہیں، ان کی خبر لینا، ان کو معاشرے سے دور رکھنا ہر مسلمان پر لازمی اور ضروری ہے۔

مسئولہ: انیس احمد، ولی نگر چریا کوٹ، مئو، یوپی۔ ۴ صفر ۱۴۲۱ھ

زید اپنے آپ کو پیر کہتا ہے اور کچھ لوگ اس کے مرید بھی ہیں، لیکن پیر کا حال یہ ہے کہ نماز کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ نماز کا اصل معنیٰ ہے: "نہ ماج" یعنی اپنی پیشانی نہ ماجو، اور فرض تو اللہ کے لیے ادا کر لیے اور سنت رسول اللہ کے لیے، تو اپنے لیے کیا کیا، اس لیے اپنی نماز پڑھو، اس کا طریقہ یہ بتایا کہ نیت کی میں نے نماز کی حضرت محمد طاہر کے اللہ اکبر، واضح ہو کہ محمد طاہر پیر کے ایک مرید کا نام ہے۔ پیر صاحب نے اپنی نماز پڑھنے کا طریقہ اپنے مرید کو بتایا ہے اور اپنے آپ کو غوث و خواجہ سے بڑا بتاتا ہے کہ میں ان لوگوں سے بڑا ہوں۔ اس پیر سے جب پوچھا گیا کہ اللہ موجود ہے یا نہیں؟ تو اس نے کہا کہ اللہ لا موجود ہے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں روزہ بھی نہیں رکھتا، خود بھی دن کے اوقات میں کھانا بنا کر کھاتا ہے، اور مرید کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ بھوکا رہنے سے کیا فائدہ جب کہ کھانے کا انتظام ہے۔ بھوکا تو وہ شخص رہے جس کے پاس کھانے کے لیے نہ ہو۔

قربانی کے متعلق لوگوں کو تعلیم دیتا ہے کہ لوگ قربانیاں کرتے ہیں، اور جانور کو ذبح کرتے ہیں تو کوئی اپنے ہاتھ کاٹے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے تو جانور کو تکلیف دینے سے کیا فائدہ؟ اس پیر کے ایک مرید مقبول احمد ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ بتاؤ کہ قرآن کو مانتے ہو؟ حدیث کو مانتے ہو؟ تو پہلے جو پیر کہے گا اس کو مانو گے یا قرآن و حدیث کے حکم کو مانو گے۔ تو مرید برجستہ جواب دیتا ہے کہ پہلے اپنے پیر کے حکم کو مانیں گے، بعد میں قرآن و حدیث کو، تو ایسے پیر و مرید کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: یہ پیر جس کا ذکر سوال میں ہے، مسلمان نہیں بدترین کافر و مرتد ہے اس پیر نے نماز کی اور روزے کی فرضیت سے انکار نہ صرف انکار بلکہ دونوں کا مذاق اڑایا اس کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ اللہ کے وجود کا انکار کیا اور نماز کی نیت میں جہاں اللہ کے واسطے کہا جاتا ہے وہاں طاہر کا نام بڑھایا۔ اس پیر سے مرید ہونا حرام بلکہ اس کے کفریہ عقائد پر مطلع ہو کر مرید ہونا کفر۔ جو مرید ہو چکے ہیں ان پر فرض ہے کہ اس کی بیعت فسخ کریں۔ مرید ہونا تو دور کی بات ہے، اس سے میل جول، سلام کلام حرام اور اگر یہ مر جائے تو اس کے کفن دفن میں شریک ہونا حرام۔ مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو کفن دفن کرنا حرام۔ یہ مکار پیر غوث و خواجہ سے افضل کیا ہوگا، ان حضرات کے غلام

ادنیٰ مسلمان کی جوتیوں کی خاک کے برابر نہیں، ایسوں کے بارے میں فرمایا گیا: اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ھُمۡ اَضَلُّ۔ (سورہ اعراف 7، آیت 179) یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گم راہ۔

جس نے یہ کہا پہلے اپنے پیر کے حکم کو مانیں گے، بعد میں قرآن وحدیث کو، یہ بھی اسلام سے خارج ہوکر کافر ومرتد ہو گیا۔ اس بدتمیز نے ایک جاہل کافر کافر گر، مرتد، مرتد گر پیر کے حکم کو قرآن وحدیث کے حکم پر مقدم رکھا، یہ کفر صریح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (یہ فتویٰ حضور شارح بخاری نے وصال سے ایک روز قبل تحریر فرمایا ہے، محمد نسیم مصباحی) (فتاویٰ شارح بخاری کتاب العقائد، عقائد متعلقہ ذات وصفات الٰہی، جلد اول ص 252، 253)

مذکورہ فتوے سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس پیر کا ایسا یا اس سے ملتا جلتا عقیدہ ہو اس کا بھی وہی حکم ہے جو اس فتوے میں مذکور ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ کسی کو پیر بنانے سے پہلے اس کے عقائد واعمال کا اچھی طرح جائزہ لے لیں۔ ورنہ آنکھ بند کر کے کسی جاہل اور کفریات بکنے والے نام نہاد پیر کو جان بوجھ کر اپنا پیر بنانا بھی اپنے کو کفر کے گڈھے میں ڈالنا اور اپنی عاقبت برباد کرنا ہے۔ ◘

پیر کے تعلق سے کچھ ضروری باتیں

از: مولانا محمد نظام الدین مصباحی قادری

قارئین! پیر کے تعلق سے کچھ ضروری باتیں پیشِ خدمت ہیں غور سے پڑھیں۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ بغیر پیر کے کامیابی، فلاح نہیں ملتی۔ کیا یہ بات درست ہے؟ اس کا جواب شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا قدس سرہ کی کتاب فتویٰ افریقہ، ص: 138 تا 160 سے جامع خلاصہ کے ساتھ پیش ہے۔

”فلاح دو قسم ہے: اول انجام کار رستگاری اگرچہ معاذ اللہ سبقتِ عذاب کے بعد ہو، یہ عقیدۂ اہل سنت میں ہر مسلمان کے لیے لازم اور کسی بیعت و مریدی پر موقوف نہیں، اس کے واسطے صرف نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو مرشد جاننا بس ہے، بلکہ ابتدائے اسلام میں کسی دور دراز پہاڑ یا گمنام ٹاپو کے رہنے والے غافل، جن کو نبوت کی خبر ہی نہ پہنچی اور دنیا سے صرف توحید پر گئے بالآخر ان کے لیے بھی یہ فلاح و کامیابی ثابت ہے۔

دوم کامل رستگاری: کہ بے سبقت دخول جنت ہو، اس کے دو پہلو ہیں: اول وقوع: یہ مذہب اہل سنت میں محض مشیّتِ الٰہی پر ہے، جسے چاہے ایسی فلاح عطا فرمائے اگرچہ لاکھوں کبائر کا مرتکب ہو اور چاہے تو ایک گناہ صغیرہ پر گرفت کر لے اگرچہ لاکھوں حسنات رکھتا ہو (اگرچہ وہ ایسا کرے گا نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ یَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا بِالۡحُسۡنٰی اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ. یہ عدل ہے اور وہ فضل یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ

دوم امید: یعنی انسان کے اعمال، افعال، اقوال، احوال ایسے ہوں کہ اگر انھیں پر خاتمہ ہو تو کرم الٰہی سے امید واثق ہو کہ بلا عذاب داخل جنت کیا جائے یہی وہ فلاح ہے جس کی تلاش کا حکم ہے۔ یہ پھر دو قسم ہے:

اول فلاح ظاہر: حاشا اس سے وہ مراد نہیں کہ نرے ظاہر داروں کو مطلوب جن کی نظر صرف اعمالِ جوارح پر مقصور ظاہر احکام شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزہ کر لیا اور متقی و مفلح بن گئے اگرچہ باطن ریا، عجب، حسد، کینہ، تکبر، حبِّ مدح،

دار العلوم غوثیہ رضویہ، بلیک برن (یوکے)

و حُبِّ جاہ، محبت دنیا، طلبِ شہرت، تعظیم امرا، تحقیر مساکین، اِتِّباعِ شہوات، مداہنت کفرانِ نعم، حرص، بخل، طول امل، سوے ظن، عنادِ حق، اِصرار باطل، مکر، غدر، خیانت، غفلت، قسوت، طمع، تملق، اعتمادِ خلق، نسیانِ خالق، نسیان موت، جرأت علی اللہ، نفاق، اتباع شیطان، بندگی نفس، رغبت بطالت، کراہت عمل، قلت خشیت، جزع، عدمِ خشوع، غضب للنفس، تساہل فی اللہ، وغیرہامہلکاتِ آفات سے گندہ ہو رہا ہو۔

بالجملہ اس صورت کو فلاح سے علاقہ نہیں، صاف ہلاک ہے بلکہ فلاحِ ظاہر یہ کہ دل وبدن دونوں پر جتنے احکام الٰہیہ ہیں سب بجالائے، نہ کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے نہ کسی صغیرہ پر مصر رہے نفس کے خصائل ذمیمہ اگر دفع نہ ہوں تو معطّل رہیں ان پر کاربند نہ ہو مثلاً دل میں بخل ہے تو نفس پر جبر کر کے ہاتھ کشادہ رکھے، حسد ہے تو محسود کی برائی نہ چاہے۔ کہ یہ جہاد اکبر ہے اور اس کے بعد مؤاخذہ نہیں بلکہ اجر عظیم ہے۔ یہ فلاح تقوی ہے اس سے آدمی سچا متقی ہوجاتا ہے۔ ہم نے فلاح ظاہر بایں معنیٰ کہا کہ اس میں جو کچھ کرنا نہ کرنا ہے اس کے احکام ظاہر وواضح ہو چکے ہیں۔

دوم فلاحِ باطنی: کہ قلب و قالب رذائل سے متخلّی اور فضائل سے متحلّی کر کے لقا پائے، شرکِ خفی دل سے دور کیے جائیں یہاں تک کہ لا مقصود الا اللہ پھر لا مشہود الا اللہ پھر لا موجود الا اللہ مُتَخَلّیِ ہو یعنی اولاً ارادۂ غیر سے خالی ہو پھر غیر نظر سے معدوم پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اُسی کے لیے ہے باقی سب ظلال وپرتو۔ یہ منتہائے فلاح و فلاح احسان ہے فلاح تقوی میں تو عذاب سے دوری اور جنت کا چین تھا۔ اور فلاح احسان اس سے اعظم ہے کہ عذاب کا کیا ذکر، کسی قسم کا اندیشہ وغم بھی ان کے پاس نہیں آتا۔ خبردار بے شک اولیاء اللہ بے خوف وبے غم ہیں۔

بہر حال اس فلاح کے لیے جس میں نجات بے عذاب کی امید پہلے ہی سے پیدا ہو ضرور پیرو مرشد کی حاجت ہے چاہے فلاح ظاہر وتقوی ہو یا فلاح باطن وفلاح احسان ہو۔

اب مرشد کی بھی دو قسم ہے:

اول عام کہ کلام اللہ وکلام الرسول وکلام ائمہ شریعت و طریقت وکلامِ علماے دین اہل رشد وہدایت ہے، اسی سلسلۂ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام علما، علما کا راہنما کلام ائمہ، ائمہ کا مرشد کلام رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ جل وعلا ﷺ۔ فلاح ظاہر ہو خواہ فلاحِ باطن، اُسے اس مرشد سے چارہ نہیں، جو اس سے جدا ہے بلاشبہ کافر ہے یا گمراہ اور اس کی عبادت برباد وتباہ۔

دوم خاص کہ بندہ کسی عالم سنی صحیح العقیدہ صحیح الاعمال جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔ یہ مُرشدِ خاص جسے پیرو شیخ کہتے ہیں پھر دو قسم ہے:

اول شیخ اتصال: اس کے لیے چار شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو کہ ذریعۂ اتصال ناممکن ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو، بدمذہب گم راہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک

تیسری شرط یہ ہے کہ عالم ہو یعنی علمِ فقہ اپنی ضرورت کے قابل واقف اور لازم کہ عقائد اہل سنت سے پورا واقف، کفرو اسلام وضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ فاسق معلن نہ ہو۔

دوم شیخ ایصال (پہنچانے والا پیر): گزشتہ سطور میں شیخ اتصال کی جو چار شرائط بیان ہوئی ہیں وہ چاروں شرطیں اور مندرجہ ذیل چیزیں اس میں ہوں۔ مفاسدِ نفس ومکائدِ شیطان و مصائدِ ہَوا سے آگاہ ہو دوسرے کی تربیت جانتا ہو اور اپنے مُتوسّل پر شفقت تامّہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب پر اُسے مطلع کرے، ان کا علاج بتائے جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے ، نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب۔ عوارف المعارف شریف میں

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے فرمایا: یہ دونوں قابل پیری نہیں، اس لیے کہ اول خود ہنوز راہ میں ہے اور دوسرا طریق تربیت سے غافل، بلکہ مجذوب سالک ہو یا سالک مجذوب اور اول اولیٰ ہے؛ اس لیے کہ وہ مراد ہے اور یہ مرید۔

پھر بیعت بھی دو قسم ہے: اول بیعتِ برکت کہ صرف تبرک کے لیے داخلِ سلسلہ ہو جانا، آج کل عام بیعتیں یہی ہیں وہ بھی نیک نیتوں کی، ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اغراض فاسدہ کے لیے ہوتی ہے وہ خارج از بحث ہیں۔ اس بیعت کے لیے شیخ اتصال کی شرائط اربعہ کا جامع ہو بس ہے۔ یہ بیعت بھی دنیا و آخرت میں بہت فائدہ مند ہے۔

دوم بیعتِ اِرادت: اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد، ہادیٔ برحق، واصلِ بحق کے ہاتھوں میں بالکل سپرد کر دے۔ اُسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک و متصرف جانے، اس کے چلانے پر راہِ سلوک چلے، کوئی قدم بے اُس کی مرضی کے نہ رکھے۔ اس کے لیے اس کے بعض احکام، یا اپنی ذات میں خود اُس کے کچھ کام اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں انھیں افعالِ خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے مثل سمجھے، اپنی عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے، اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے غرض اُس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔ یہ بیعتِ سالکین ہے اور یہی مقصودِ مشائخ مرشدین ہے یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے، یہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لی ہے۔ جسے سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی و دشواری، ہر خوشی و ناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چون و چرا نہ کریں گے۔ مذکورہ بالا گفتگو کے بعد اب جواب ملاحظہ فرمائیں۔ مطلق فلاح کے لیے مرشد عام کی قطعاً ضرورت ہے فلاح تقویٰ ہو یا فلاح احسان اس مرشد سے جُدا ہو کر ہرگز نہیں مل سکتی اگرچہ مرشد خاص رکھتا ہو بلکہ خود مرشد خاص بنتا ہو۔

فلاح تقویٰ: اس کے لیے مرشدِ خاص کی ضرورت بایں معنی نہیں کہ بے اُس کے یہ فلاح مل ہی نہ سکے جیسا کہ اوپر گزرا، یہ فلاح ظاہر ہے، اس کے احکام واضح ہیں۔ آدمی اپنے علم سے یا علما سے پوچھ پوچھ کر متقی بن سکتا ہے۔ اعمالِ قلب میں اگرچہ بعض دقائق ہیں مگر محدود اور کتب ائمہ مثل امام ابوطالب مکی و امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہما میں مشروح تو بے بیعتِ خاص بھی اس کی راہ کشادہ، اس کا دروازہ مفتوح۔ (مذکورہ بالا سطور کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ فلاح تقوی کے لیے مرشد خاص کی ضرورت نہیں لہٰذا حضرات صوفیاء کرام کا یہ قول کہ بے پیر افلاح نہیں پاتا اس پر یعنی فلاح تقوی پر صادق نہیں آتا یعنی فلاح تقوی کا حصول بلا مرشد خاص کے ہو سکتا ہے۔)

فلاح تقوی بلا شبہ فلاح ہے اگرچہ فلاحِ احسان اس سے اعظم واجل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا۔ (النساء:31)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچے تو ہم تمھاری برائیاں مٹا دیں گے اور تمھیں عزت والے مکان میں داخل فرمائیں گے۔

یہ بلا شبہہ فوز عظیم ہے اہلِ تقویٰ اور اہلِ احسان دونوں کے لیے اپنی معیت ارشاد فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ. (النحل:128)

بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے اور ان کے جو اہلِ احسان ہیں یہ کیسا فضلِ عظیم ہے اور فلاح کے لیے کیا چاہیے؟

بات یہ ہے کہ تقوی عموماً ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس فلاح یعنی عذاب سے رستگاری کے لیے بفضل الٰہی حسب وعدۂ صادقہ کافی و وافی۔ احسان یعنی سلوکِ راہِ ولایت،

اعلیٰ درجے کا مطلوب و محبوب ہے مگر اس کی طرح فرض نہیں ورنہ اولیاء کے سوا کہ ہر دور میں صرف ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں باقی کروڑہا کروڑ مسلمان، ہزارہا علما و صلحا سب معاذ اللہ تارکِ فرض و فُسّاق ہوں اولیا نے بھی کبھی اس راہ کی عام دعوت نہ دی۔ کروڑوں میں سے معدودے چند کو اس پر چلایا اور اس کے طالبوں میں سے بھی جسے اس بار کے قابل نہ پایا واپس فرمایا، فرض سے واپس کرنا کیوں کر ممکن تھا۔

عوارف المعارف شریف میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

خرقۂ تبرک ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے اور خرقۂ ارادت اسی کو دیا جائے گا جو اس کا اہل ہو۔ نااہل سے اس راہ کے شرائط کا مطالبہ نہ کریں گے، صرف اتنا کہیں گے کہ شریعت کا پابند رہ اور اولیا کی صحبت اختیار کر کہ شاید اس کی برکت اُسے خرقۂ ارادت کا اہل کر دے تو ظاہر ہوا کہ اس کا ترک نافیِ فلاح نہیں، اکابر علما و ائمہ میں ہزارہا وہ گزرے جن سے بیعتِ خاصہ ثابت نہیں، یا کی تو آخر عمر میں بعد حصولِ مرتبۂ امامت اور وہ بھی بیعتِ برکت، جیسے امام ابن حجر عسقلانی نے سیدی مدین قدس سرہ کے دستِ مبارک پر۔

سیدی امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: ہاں جو اُس کا ترک بوجہِ انکار کرے اسے باطل و لغو جانے وہ ضرور گمراہ و بے فلاح۔ جب کہ انکار مطلق ہو۔ اور اگر اپنے عصر (زمانہ) و مصر (شہر) میں کسی کو بیعت کے لیے کافی نہ جانے تو اس کا حکم اختلافِ منشا سے مختلف ہوگا۔ اگر یہ اپنے تکبر کے باعث ہے تو ”اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ“ کیا جہنم میں متکبروں کا ٹھکانا نہیں۔ اور اگر بلا وجہ شرعی اپنی بدگمانی کے باعث سب کو نااہل جانے تو یہ بھی کبیرہ ہے اور کبیرہ کا مرتکب مفلح نہیں۔ اور اگر اُن میں وہ باتیں ہیں کہ اشتباہ میں ڈالتی ہیں اور یہ بہ نظر احتیاط بچتا ہے تو الزام نہیں۔

فلاحِ احسان کے لیے بے شک مرشدِ خاص کی حاجت ہے اور وہ بھی شیخ ایصال کی، شیخ اتصال اس کے لیے کافی نہیں اور اس کے ہاتھ پر بھی بیعت ارادت ہو بیعت برکت یہاں بس نہیں، اس راہ میں وہ شدید باریکیاں، وہ سخت تاریکیاں ہیں کہ جب تک کامل مکمل اس راہ کے جملہ نشیب و فراز سے آگاہ و ماہر حل نہ کرے حل نہ ہوں گی، نہ کتبِ سلوک کا مطالعہ کام دے گا نہ کہ یہ دقائق تقوی کی طرح محدود و معدود نہیں جن کا ضبط کتاب کر سکے۔ اور وہ پرانا دشمن مکار ابلیسِ لعین ہر وقت ساتھ ہے اگر بتانے والا، آنکھیں کھولنے والا، ہاتھ پکڑنے والا، مدد فرمانے والا ساتھ نہ ہو تو خدا جانے کس کھوہ میں گرائے، کس گھاٹی میں ہلاک کرے ممکن کہ سلوک درکنار معاذ اللہ ایمان تک ہاتھ سے جائے۔

قارئین مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ صوفیاء کرام کا فرمان عالیشان کہ بے پیر افلاح نہیں پاتا۔ وہ کون سی فلاح کے متعلق ہے، وہ فلاح احسان ہے اور فلاح احسان میں مرشد ایصال اور بیعتِ ارادت ہوتی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل عموماً جو بیعت ہوتی ہے وہ بیعتِ تبرک اور مرشد وہ مرشدِ اتصال۔

اور یہ امر بھی سمجھا گیا کہ ہمارے پیشوا اولیاء کرام قدست اسرارہم مثلاً حضرت خواجہ حسن بصری قدس سرہ حضرت خواجہ جنید بغدادی، حضرت سری سقطی حضرت قطبِ ربانی غوث صمدانی سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت داتا علی ہجویری اور حضرت سلطان الہند قدوۃ الاولیاء خواجہ سید معین الدین اجمیری و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی و حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء و حضرت مجدد الف ثانی و حضرت آلِ رسول مارہروی و حضرت امام احمد رضا محدث بریلی و حضرت علی حسین اشرفی میاں قدست اسرارہم وغیرہم شیخ ایصال تھے اور ان کے مشائخ بھی شیخ ایصال تھے اور ان کی بیعت اپنے مشائخ سے بیعتِ ارادت تھی اور یہ حضرات فلاح احسان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور ہیں یہ اور اس آیت پاک ”اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ

یَحْزَنُوْنَ'' خبردار بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم، کے سچے مصداق ہیں اور یہ امر بھی واضح ہوا کہ جو یہ کہا جاتا ہے کہ مرید شیخ کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے اگر چہ بظاہر اس کی نگاہ میں خلاف شرع ہو اور مثال دی جاتی ہے افعال خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی کہ آپ نے کشتی میں سوراخ کر دیا، ایک لڑکے کو مار ڈالا، گرتی دیوار تھام لی جب کہ اہل قریہ نے آپ کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا۔ تو یہ چیزیں ظاہراً خلاف شرع نظر آتی ہیں مگر حقیقۃً یہ چیزیں شرع کے دائرہ میں تھیں، اس سے شیخ ایصال کہ جس کے ہاتھ پر بیعت ارادت ہوتی ہے وہ مراد ہے کہ اس کے کام شریعت کے خلاف ہرگز نہیں ہوتے مگر وہ چوں کہ اپنے مرید کو کامل کرنے کے لیے امتحان لیتا ہے اس لیے وہ ایسا کام کرتا ہے جو حقیقت میں دائرۂ شرع میں ہوتا ہے مگر ظاہراً مرید کم علمی کی وجہ سے اسے خلاف سمجھتا ہے تو اس کو بتایا گیا کہ اعتراض نہ کرنا تجھ پر اس کام کی حقیقت کھول دی جائے گی کہ تیرے شیخ کا کام دائرہ شرع کے اندر ہے لہٰذا آج کل کے مریدین جو شیخ اتصال کے مرید ہوتے ہیں اس قول صوفیاء کرام سے دھوکا نہ کھائیں اور داڑھی منڈانے والے، نماز نہ پڑھنے والے، شرع کا مذاق اُڑانے والے جو پیر اتصال بھی نہیں ہو سکتا ان کے بہکاوے میں نہ آئیں اور جو بات شریعت کی ہے اسے قبول کریں، تاکہ اہل سنت و جماعت غیروں کی تنقید کا نشانہ بننے سے محفوظ رہیں۔

فائدہ: بہت سے احباب یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے جامع شرائط پیر و مرشد کا حقہ فیض نہیں ملتا ہے اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اس سوال کا بہت ہی واضح جواب غوث زماں سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے ابریز شریف میں دیا ہے ان سے سوال ہوا کہ پیر کی موجودگی میں تو اس کا فیض ملتا ہے لیکن اس کی عدم موجودگی میں، یا اس کے انتقال کے بعد کما حقہ فیض کیوں نہیں ملتا ہے؟ اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ پیر سے محبت کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ سے دنیاوی یا اخروی کے لیے محبت کرے یعنی دنیا یا آخرت میں اس کو فائدہ مل جائے اور دوسری جہت یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ سے خالص اللہ کے لیے محبت کرے یعنی یہ اللہ والے ہیں اور اللہ والوں سے محبت کا حکم ہے اس لیے وہ شیخ سے محبت کرے، پہلی محبت اسی وقت فائدہ دیتی ہے جب شیخ سامنے ہو اور دوسری محبت شیخ کی حیات میں بھی فائدہ مند ہوتی ہے اور شیخ کے دنیا سے جانے کے بعد بھی اس کا فیض مرید کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے آپ اپنے جامع شرائط شیخ سے خالص اللہ کے لیے محبت کریں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی برکتیں خود محسوس کریں گے۔

سوال: کیا کوئی عالم یا مفتی جامع شرائط آپ کے پیر سے فروعی مسائل میں اختلاف کرے تو اس عالم یا مفتی کا بائیکاٹ یا اس سے دشمنی جائز ہے؟

جواب: شیخ محقق عبدالحق دہلوی قدس سرہ تحریر کرتے ہیں: بعض مشائخ ایک مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے مرید دوسرے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، مرشد انھیں اس بات کا حکم نہیں دیتے تھے کہ اپنے مذہب (شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی) کو چھوڑ دیں۔ علامہ جلال الدین رومی قدس سرہ حنفی تھے جب کہ ان کے مرید شیخ حسام الدین قدس سرہ نے ان کی موافقت کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا: ارادت، پیری مریدی کا تعلق باطن اور محبت اور دلی عقیدت سے ہے، مذہب فقہی کا معاملہ ظاہر سے متعلق ہے۔ (فقہ و تصوف، ص: 299)

اس سے معلوم ہوا کہ فروعی اختلاف کرنے والے عالم یا مفتی سے دشمنی یا بائیکاٹ یہ شرع و طریقت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ کاش آج سنی اس بات کو سمجھ جائیں تو دوریاں ختم ہو کر محبت کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام کے صدقہ و طفیل ہم کو ہدایت عطا کرے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے، آمین۔ بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔ ☆☆۔■■

گوشۂ ادب

تذکرہ کچھ اردو زبان کا

جاوید بھارتی

اُردو زبان ہندوستان کی مختلف زبانوں کے اجتماع اور یہاں بسنے والی بڑی قوموں کی اجتماعیت کی ایک علامت ہے ، تقسیم وطن کے بعد اس پر بھی عرصۂ حیات تنگ کیا گیا شروع شروع میں تو لے اس طرح اٹھائی گئی کہ اردو کوئی مستقل زبان نہیں بلکہ ہندی کا دکنی اسلوب ہے اور دکنی تصنیفات ہندی کا دکنی روپ ہے،، اس طرح اردو کو اس کی بنیادوں سے ہی اکھاڑ نے کے منصوبوں پر عمل درآمد شروع کیا گیا،، یہ مطالبہ لسانیات کے باب میں ہندوستانی قومیت کی وسیع الظرفی کا مظہر معلوم ہوتا تھا کہ اُردو کو اگر دیوناگری رسم الخط میں کر دیا جائے تو عربی اور فارسی کے ہزاروں الفاظ خود بخود ہندی میں داخل ہو جائیں گے ، مگر اسی کے ساتھ فارسی رسم الخط سے ہزاروں سال تک ہندوستان کی تہذیب کا جو ناتا رہا ہے اور اسی رنگ و روپ میں رہ کر ہندوستان کو لٹریچر اور فنون کا جو خزانہ دیا ہے اسے دفن کرنے کی سازش بھی سامنے آتی ہے۔

یہ بات ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ رسم الخط انتہائی اہم چیز ہوتی ہے رسم الخط تہذیب اور زبان کی شناخت و پہچان کا نام ہوا کرتا ہے ، رسم الخط ہی زبانوں کی جان ہوا کرتا ہے اگر کسی زبان کے رسم الخط کے چھیڑ چھاڑ کیا جائے یا اسے تبدیل کر دیا جائے تو اس زبان کا قتل کر دیے جانے کے برابر ہو گا کیوں کہ اس زبان کا اصل وجود ہی مٹ گیا۔ آج دنیا میں بہت سی زبانیں ایسی ہیں جو رسم الخط سے محروم ہیں وہ زبانیں بولی جاتی ہیں مگر لکھی نہیں جاتیں بلکہ لکھنے کے لیے دوسری زبانوں کے رسم الخط کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہ تو اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ اس کا رسم الخط بھی بے پناہ خوبصورت ہے اور بہت مضبوط ہے۔

اردو... یہ زبان دل کی دھڑکن ہے۔ یہی تو وہ بولی ہے جس میں ماں کی لوری ہے، باپ کی دعائیں ہیں، اور شفقت و محبت کے وہ نازک احساسات ہیں جنھیں لفظوں میں ڈھالنا آسان نہیں۔ کبھی یہی زبان ہماری شناخت تھی، ہماری پہچان تھی۔ بازاروں میں، گلیوں میں، محفلوں میں ہر طرف اردو کی مٹھاس بکھری ہوئی تھی۔ مگر آج یہی زبان اپنی ہی زمین پر اجنبی لگنے لگی ہے۔

یہ سوچ کر دل بھر آتا ہے کہ جس زبان نے صدیوں تک دلوں کو جوڑا، وہ آج بقا کی جنگ لڑ رہی ہے۔ کبھی یہی زبان بادشاہوں کے درباروں میں عزت پاتی تھی، عالموں کے مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھی، شاعروں کی محفلوں میں چمکتی تھی۔ اب وہی زبان اسکولوں میں "اختیاری مضمون" بنا دی گئی ہے، اور گھروں میں بچے اس سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

اردو کا زوال اچانک نہیں آیا۔ یہ خاموشی سے، آہستہ آہستہ، ہماری بے توجہی اور کمزوری سے پیدا ہوا ہے۔ ہم نے خود اپنی زبان سے فاصلہ بڑھایا۔ انگریزی بولنے والا "مہذب" سمجھا جانے لگا، اور اردو بولنے والا "پس ماندہ"۔ اسکولوں میں بچوں کو سکھایا گیا کہ کامیابی صرف انگریزی میں ہے۔ والدین نے بھی وہی سوچ اپنالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج کی نسل اردو پڑھ تو سکتی ہے، مگر محسوس نہیں کر سکتی۔

اردو صرف لفظوں کا مجموعہ نہیں، یہ ایک تہذیب ہے۔ وہ تہذیب جو نرمی، لحاظ، اور محبت کا سبق دیتی ہے۔ یہ زبان

سابق سکریٹری یوپی بنکر یونین محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی javedbharti508@gmail.com

نفرت نہیں سکھاتی، یہ دلوں کو قریب لاتی ہے۔ کبھی یہ زبان ہر مذہب اور ہر طبقے کی آواز تھی۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، سب نے مل کر اس کے دامن کو وسیع کیا۔ لیکن آج افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اردو کو صرف ایک طبقے یا مذہب سے جوڑ دیا گیا ہے۔

یہ کیسا المیہ ہے کہ جو زبان گنگا جمنی تہذیب کی علامت تھی، آج خود فرقوں میں تقسیم کر دی گئی۔ زبان تو انسانوں کو جوڑنے کے لیے ہوتی ہے، مگر ہم نے اسے دیواروں کے پیچھے دھکیل دیا۔

دکانوں کے بورڈ اب انگریزی میں چمکتے ہیں، شادی کے کارڈ انگریزی میں چھپتے ہیں، اسکولوں کے نصاب سے اردو غائب ہوتی جا رہی ہے۔ کبھی یہی اردو خوشبو کی طرح زندگی میں رچی بسی تھی، اب اس کا نام بھی "اختیار" اور "شوق" تک محدود ہو گیا ہے۔ اخبارات کے صفحات سکڑ رہے ہیں، رسائل دم توڑ رہے ہیں، اور جو لوگ اردو کے لیے قلم اٹھاتے ہیں، ان کے قارئین کم ہوتے جا رہے ہیں۔

لیکن قصور صرف اداروں کا نہیں، ہمارا بھی ہے۔ ہم نے اپنی زبان سے وہ تعلق توڑ دیا جو کبھی روح کی طرح قائم تھا۔ آج کے والدین بچوں سے انگریزی میں بات کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ محبت کی زبان اپنی ہوتی ہے، مستعار نہیں، ایک بچہ "ممی، ڈیڈی" کہتا ہوا شاید پیارا لگے، مگر "امی، ابا" کہنے میں جو اپنائیت ہے، وہ کسی ترجمے میں نہیں ملتی۔ زبانیں حکم سے نہیں، محبت سے زندہ رہتی ہیں۔

اگر ہم اپنی زبان سے پیار کریں تو کوئی طاقت اسے مٹا نہیں سکتی۔ لیکن اگر ہم نے بے اعتنائی برتی، تو کوئی قانون، کوئی ادارہ اسے بچا نہیں پائے گا۔

اردو کے ساتھ سچائی یہ ہے کہ یہ صرف شاعری کی زبان نہیں، زندگی کی زبان ہے۔ جب کوئی بچہ پہلی بار "امی" کہتا ہے، جب کوئی ماں دعا دیتی ہے، جب کوئی عاشق اپنے محبوب سے "تم" کہتا ہے۔ تو یہ سب اردو ہے۔ یہ وہ احساس ہے جسے دنیا کی کوئی اور زبان اس انداز میں بیان نہیں کر سکتی۔

ہم نے اردو کو صرف کتابوں، مشاعروں، یا تقریبات تک محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ زبان روزمرہ کی زندگی کا حصہ تھی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اردو پھر سے زندہ ہو، تو اسے اپنی بول چال میں واپس لانا ہوگا۔ گھروں میں اردو بولنا شروع کریں، بچوں کو اردو کہانیاں سنائیں، انھیں اردو کے شاعر اور ادیبوں سے روشناس کرائیں۔

اردو کے لیے کام کرنے والے افراد آج بھی ہیں۔ اساتذہ، ادیب، شاعر، صحافی، جو اس زبان کے چراغ کو بجھنے نہیں دیتے۔ لیکن ان چراغوں کو ہوا دینے کی ذمہ داری ہم سب کی ہے۔ اردو کی بقا حکومت کے ہاتھ میں نہیں، بولنے والوں کے جذبے میں ہے۔

ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ اگر ہم اپنی زبان بھول جائیں تو اپنی پہچان کہاں بچی رہتی ہے؟ زبان صرف الفاظ نہیں، یہ ہماری تاریخ، ہماری تہذیب، اور ہمارے جذبات کی نمائندہ ہے۔ زبان کمزور ہوتی ہے تو قومیں بھی کمزور ہو جاتی ہیں۔

ہمیں اردو کو روزمرہ زندگی کا حصہ بنانا ہوگا۔ اسکولوں میں اردو کے مقابلے، تقریری پروگرام، مشاعرے، یہ سب دوبارہ زندہ کیے جائیں۔ اخبارات میں اردو ادب کی حوصلہ افزائی ہو، ٹی وی چینل اردو پروگرام پیش کریں، اور سوشل میڈیا پر اردو میں بات کرنے کو عام کیا جائے۔

ہمیں اپنی سوچ بدلنی ہوگی۔ انگریزی سیکھنا بری بات نہیں، لیکن اپنی زبان سے منہ موڑ لینا المیہ ہے۔ جو قوم اپنی زبان سے محبت نہیں کرتی، وہ کبھی اپنے دل سے جڑی نہیں رہتی۔

اردو کے لفظ صرف زبان نہیں، احساس کی نرمی ہیں۔

جب کوئی "خیریت" پوچھتا ہے، تو اس میں فکر بھی ہے، محبت بھی۔ جب کوئی "جزاک اللہ" کہتا ہے تو یہ محض شکریہ نہیں، دعا ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس میں احترام بھی ہے اور رشتہ بھی۔

آج اردو کے لیے سب سے بڑا چیلنج یہ نہیں کہ اسے پڑھنے والے کم ہیں، بلکہ یہ کہ بولنے والے شرماتے ہیں۔ ہمیں اپنی زبان پر فخر کرنا ہوگا۔ اردو بولنا پسماندگی نہیں، تہذیب ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس نے میر، غالب، اقبال، اور فیض جیسے فکری ستون پیدا کیے۔

وقت آ گیا ہے کہ ہم اردو کے لیے دل سے قدم بڑھائیں۔ اپنے گھروں میں اردو کی محفلیں سجائیں، بچوں کو اردو کتابیں دیں، انھیں سکھائیں کہ یہی ان کی جڑ ہے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے زبانیں مٹتی نہیں، مٹائی جاتی ہیں۔ اور زندہ بھی تب ہی رہتی ہیں جب ان کے بولنے والے ان سے محبت کریں۔

آج اگر ہم نے اردو کو دل سے اپنایا، اسے روزمرہ میں شامل کیا، تو یقین جانیے یہ زبان دوبارہ اپنے عروج پر پہنچ سکتی ہے۔ کیونکہ اردو کے لفظوں میں وہ طاقت ہے جو انسان کے دل تک راستہ بنا لیتی ہے۔

اردو ہماری روح ہے، ہماری شناخت ہے، ہمارا فخر ہے۔ اگر ہم نے اسے بچا لیا تو اپنی تہذیب کو بچا لیں گے، اپنی تاریخ کو بچا لیں گے۔

جب تک دل دھڑکتا ہے، جب تک محبت باقی ہے، تب تک اردو زندہ رہے گی۔ یہ زبان مٹی کی خوشبو ہے۔ اور مٹی کی خوشبو کبھی ختم نہیں ہوتی۔

☆☆☆

(ص:39 بقیہ)-

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ثابت قدمی، قربانی، اور ایمان کے اعلیٰ معیار قائم کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عدل، تقویٰ، اور ایمان کی حفاظت کے لیے ہر میدان میں قدم بڑھایا۔ عورتیں ان سے یہ سبق حاصل کر سکتی ہیں کہ ایمان کا تحفظ صرف اعتقاد نہیں بلکہ عمل، علم، بصیرت اور اخلاق کا متلازم ہے۔ وہی ں صحابیات نے بھی یہ دکھایا کہ ایمان کی حفاظت صرف گھریلو حدود میں محدود نہیں بلکہ معاشرت، علم، اور اخلاقی خدمات میں بھی ممکن ہے۔

عورت کے لیے آج کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایمان، حیا، اور علم کی حفاظت کرے۔ اپنے دل، نظر، زبان، اور عمل میں یہ معیار قائم رکھے تاکہ نہ صرف وہ خود محفوظ رہے بلکہ پورا گھر اور خاندان بھی اس روشنی سے منور ہو۔

عورت کی تربیت اور ایمان کی مضبوطی نہ صرف ذاتی فلاح بلکہ معاشرتی بقا کی ضمانت ہے۔ وہ قرآن و سنت کی رہنمائی میں اپنے کردار، اعمال اور رویے کی حفاظت کرے، تو دنیاوی فتنہ اسے کبھی نہ چھو سکے گا۔ عورت کے ایمان، حیا، اور علم کی حفاظت گھر اور معاشرت میں استحکام پیدا کرتی ہے، اور آنے والی نسلیں بھی اس روشنی سے منور ہوتی ہیں۔

آج کا دور ایمان کا امتحان ہے، مگر اگر عورت قرآن و سنت کی رہنمائی میں استقامت اور بصیرت اختیار کرے تو وہ نہ صرف خود محفوظ رہے گی بلکہ پورا معاشرہ بھی اس روشنی سے مستفید ہوگا۔

مولی! ہمیں اور ہماری بہنوں کو ایمان، حیا، اور تقویٰ کی حفاظت کی توفیق عطا فرما، ہمارے اعمال اور نیتیں خالص کر دے، اور ہمیں دنیاوی فتنوں سے محفوظ رکھ۔ آمین۔ ☆

صدائے بازگشت

عرسِ حافظِ ملت علیہ الرحمہ ایک تعلیمی تحریک

بزرگانِ دین کے آستانوں پر حاضری ایمان کی پختگی اور عقیدے کی سلامتی کا ذریعہ ہے۔ اس طرح کے مواقع ان کی دینی، ملی، سماجی اور فلاحی خدمات کو یاد کرنے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے بھی ہوتے ہیں۔ البتہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض اعراس میں غیر شرعی امور اور بے پردگی نے ماحول کو مکدر کر دیا ہے۔ جس سے مخالفین کو تنقید کا موقع ملا اور وہ بزرگانِ دین کی شبیہ کو داغدار کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بصیرت عطا فرمائے۔

حضور حافظِ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کا عرس اپنی انفرادیت اور امتیاز کے باعث ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ یہ عرس اُن کے لیے بے فائدہ ہے جو محض لذتِ نفس کے لیے آتے ہیں، مگر ان کے لیے باعثِ فیض ہے جو کچھ سیکھنے اور سمجھنے کی نیت سے شریک ہوتے ہیں۔ یہاں آنے والے طالبانِ علومِ نبویہ علم و حکمت کی بارش میں نہا کر واپس لوٹتے ہیں اور ان کے دلوں میں تعلیم کا شوق جنون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ امتیاز اس وجہ سے ہے کہ یہاں عورتوں کی حاضری پر پابندی ہے اور جامعہ کے کیمپس میں گھریلو سامان یا غیر ضروری اشیا فروخت کرنے والی دکانیں بھی نہیں ہوتیں کہ اس طرف مصروفیت ہو۔ اس لیے زائرین کی توجہ صرف جامعہ کی تعلیمی، تصنیفی اور تحقیقی سرگرمیوں پر مرکوز رہتی ہے۔ جامعہ کے احاطے میں داخل ہوتے ہی دارالحدیث کی پر شکوہ عمارت، امام احمد رضا لائبریری کا عظیم ذخیرہ، عزیز المساجد کی دل آویز فضا اور آستانۂ حضور حافظ ملت سے پھوٹتی علمی کرنیں زائرین کو قرطبہ و غرناطہ کے سنہری علمی ماحول کی یاد دلاتی ہیں کہ یہی وہ فضا ہے جس نے مسلمانوں کو عزت و عظمت کی بلندیوں تک پہنچایا۔ اسی علمی روایت کو زندہ رکھنے کے لیے حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عظیم قربانیاں دیں اور امت کو ایک مضبوط تعلیمی قلعہ عطا کیا۔

اگر ہم مجموعی طور پر حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قربانیوں کا عشرِ عشیر بھی پیش کر دیں تو بلا شبہ ہزاروں تعلیمی ادارے قائم کیے جا سکتے ہیں۔ زائرین کے دلوں میں یہ سوچ اس وقت اور گہری ہو جاتی ہے جب وہ مزارِ حافظ ملت کے قریب پہنچتے ہیں۔ انھیں یاد آتا ہے کہ تقسیمِ وطن کے کٹھن حالات میں جب مسلمان بے شمار مشکلات میں مبتلا تھے، اس مردِ قلندر نے اہلِ سنت و جماعت کی بقا اور اشاعت کے لیے اپنی آرام و آسائش، دولت و ثروت سب کچھ قربان کر کے، جامعہ اشرفیہ جیسے شہرِ علم کی بنیاد رکھی۔ اور آج جب حالات اس قدر سخت نہیں ہیں اور مسلمان پہلے سے خوش حال ہیں، تو پھر ایسے دس بیس ادارے کیوں وجود میں نہ آ سکے؟ یہی سوال ہر زائر کے دلوں کو جھنجھوڑتا ہے اور انھیں حافظِ ملت کے مشن کو سمجھنے اور اس مشن کا پرچم بردار بننے پر مجبور کرتا ہے۔ لوگ یہاں سے عہد کرتے ہیں کہ تعلیم کے راستے کی ہر رکاوٹ کو عبور کریں گے اور اپنی نسلوں میں علمی ذوق اور تعلیمی ماحول پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اس کا عملی نمونہ یوں دیکھا جا سکتا ہے کہ چند برس پہلے ایک

صاحب اپنے کم عمر لڑکوں کو عرس میں لائے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ بچے اس علمی و روحانی ماحول سے متاثر ہو کر اپنی تعلیم میں مزید شوق و لگن پیدا کریں۔

یوں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عرسِ حضور حافظ ملت طالبانِ علومِ نبویہ کے دلوں سے مایوسی کو دور کرتا ہے، حصولِ علم کا حوصلہ بخشتا ہے، مشکلات سے ٹکرانے کا ہنر سکھاتا ہے اور منزل کی کٹھنائیوں کو سہل بنانے کی تدبیر عطا کرتا ہے۔ اصل میں عرسِ حافظِ ملت ایک تعلیمی تحریک ہے جو حاضرین کی ذہن سازی کر کے انھیں نسلوں کے تئیں فکر مند بناتا ہے۔ اس لیے ایسے اعراس میں طالبانِ علومِ نبویہ کو بالخصوص اور عوامِ اہلِ سنت کو بالعموم شریک ہونا چاہیے تاکہ ان کی فکر و نظر میں تبدیلی پیدا ہو اور وہ امت کے بہترین فرد بن کر زندگی گزار سکیں۔

از: محمد شارق رضا کوشامی

مسابقۂ حفظِ اربعینِ نووی

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں حفظِ حدیث کا شوق مدارس اسلامیہ کے طلبہ میں بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے۔ بہت کم ایسے خوش نصیب بچے ہیں جو اپنی ذہانت و فطانت کو بروے کار لا کر اس عظیم اور بابرکت عمل کو انجام دیتے ہیں، اور اس حدیث کے مظہر بن کر سامنے آتے ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے میری چالیس احادیث یاد کی اور انھیں دوسروں تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن فقیہ اٹھائے گا، اور میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔“

یہی وہ فضیلت ہے جو بہت سے طلبہ کو حفظِ حدیث کی طرف راغب کرتی ہے۔ اساتذۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، بالخصوص مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری اور مولانا صدر الوریٰ مصباحی صاحبان کی سرپرستی و نگرانی میں علمِ حدیث کا شوق پروان چڑھانے اور طلبہ کی مخفی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کے لیے مسابقہ حفظِ اربعین نووی کی شکل میں ایک اہم اور مؤثر کوشش کی گئی۔ اس بابرکت پروگرام میں جامعہ کے طلبہ نے بڑی تعداد میں حصہ لیا۔ فائنل راؤنڈ کے لیے پچیس سے تیس بچوں کا انتخاب کیا گیا، جنھوں نے انتیس اکتوبر کو اپنی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہزاروں طلبہ کے سامنے حفظِ حدیث کا دلکش اور روح پرور منظر پیش کیا۔ تمام شرکا کے درمیان انعامات کی تقسیم نے بچوں کے شوق و ذوق میں مزید اضافہ کر دیا۔ ایسے مسابقات کا انعقاد ابتدائی مکاتب سے لے کر اعلیٰ تعلیمی سطح تک ہونا چاہیے تاکہ بچوں میں علم حدیث و حفظِ حدیث کا شوق پیدا ہو اور وہ اس مبارک علم کی طرف زیادہ متوجہ ہوں۔ یہ مسابقہ اپنی نوع کا ایک امتیازی پروگرام ثابت ہوا۔ اس کی خوشبو آغازِ تعلیم ہی سے جامعہ کے کیمپس میں محسوس کی جا رہی تھی۔ ہر سمت بچے احادیثِ نبویہ یاد کرنے میں مشغول نظر آتے تھے۔ کبھی ہاسٹل کے کمروں میں، کبھی عزیز المساجد کے صحن میں، اور کبھی مزارِ حافظ ملت کے قرب۔ یہ منظر واقعی دیدہ زیب اور ایمان افروز تھا۔ اساتذۂ اشرفیہ، بالخصوص مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری اور مولانا صدر الوری صاحبان کی محنت اور اخلاص سے یہ حسین و روحانی منظر نامہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے صحن میں جلوہ فگن ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان اساتذہ کرام کو سلامت رکھے، اور ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

آخر میں ہم اس مبارک موقع پر اساتذۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور بالخصوص مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری صاحب کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ ان کی کاوشوں سے یہ پروگرام بحسن و خوبی اختتام کو پہنچا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی حفظِ اربعینِ نووی کا یہ بابرکت پروگرام مزید وسعت و اہتمام کے ساتھ جاری رہے گا، اور طلبہ میں علمِ حدیث کا ذوق و شوق مزید فروغ پائے گا۔

از: محمد شارق رضا کوشامی

برطانیہ میں مسلم مخالف نفرت میں 'ملک گیر' اضافہ، مساجد پر حملے بڑھ گئے: برٹش مسلم ٹرسٹ کی رپورٹ

رپورٹ میں اگست سے اکتوبر کے درمیان مسلم مخالف نفرت میں اضافے کو "ملک گیر اضافہ" قرار دیا گیا ہے۔ اس عرصے کے دوران ۲۳ مقامات پر ۲۵ مساجد کو نشانہ بنایا گیا۔

ایک حالیہ رپورٹ میں انکشاف ہوا ہے کہ برطانیہ میں مساجد پر حملوں میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ رپورٹ میں خبردار کیا گیا ہے کہ مسلم مخالف دشمنی تیزی سے منظم اور علامتی شکل اختیار کر رہی ہے۔ برطانیہ میں سرگرم، برٹش مسلم ٹرسٹ (بی ایم ٹی) نے جولائی کے آخر سے اکتوبر کے اختتام تک ۲۷ تصدیق شدہ واقعات کو دستاویزی شکل دی۔

رپورٹ میں اگست سے اکتوبر کے درمیان مسلم مخالف نفرت میں اضافے کو "ملک گیر اضافہ" قرار دیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق۔ اس عرصے کے دوران 23 مقامات پر 25 مساجد کو نشانہ بنایا گیا، جس میں 40 فیصد سے زائد واقعات میں پرچم یا عیسائی نعرے شامل تھے اور 11 فیصد واقعات میں گرافٹی یا نفرت انگیز نشانات استعمال کیے گئے تھے۔ رپورٹ میں تقریباً 33 فیصد حملوں کو پرتشدد یا تباہ کن قرار دیا گیا۔ ریکارڈ شدہ واقعات کی تعداد، گرمیوں کے آخر میں تیزی سے بڑھی اور اگست میں 7، ستمبر میں 9 اور اکتوبر میں 9 واقعات پیش آئے۔ بی ایم ٹی اس اضافے کو 'Raise the Colors' مہم اور 'Unite the Kingdom Rally' جیسی قوم پرست تحریکوں سے جوڑا ہے۔ رپورٹ میں نوٹ کیا گیا کہ ان تحریکوں میں استعمال ہونے والی علامتیں بعد میں مساجد کو ڈرانے والے واقعات میں بھی نمودار ہوئیں۔ بی ایم ٹی کی چیف ایگزیکٹیو عقیلہ احمد کا کہنا ہے کہ یہ نتائج ظاہر کرتے ہیں کہ برطانیہ میں مسلم مخالف نفرت تعدد اور شدت دونوں میں بڑھ رہی ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ بہت سے متاثرین حکام کی طرف سے محدود فالو اپ کی اطلاع دیتے ہیں، اس سے یہ اندیشہ بڑھ جاتا ہے کہ اس طرح کی نفرت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ بی ایم ٹی نے پولیس کے تیز ردعمل کے پروٹوکولز، مسلم برادری کے ساتھ قریبی ہم آہنگی،" اور عبادت گاہوں کیلئے حفاظتی امداد تک آسان رسائی کا مطالبہ کیا ہے۔

اسرائیلی وزیر اعظم کی گرفتاری کا وارنٹ

ترکی نے غزہ میں ہزاروں فلسطینیوں کی نسل کشی کے الزام میں اسرائیلی وزیر اعظم بنجامن نیتن یاہو اور 36 دیگر سینئر فوجی و سیاسی شخصیات کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے ہیں۔ ان پر "غزہ میں نسل کشی اور انسانیت کے خلاف جرائم کا ارتکاب" کرنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ متاثرین اور 'گلوبل صمود فلوٹیلا' کے اراکین کی طرف سے دائر کی گئی شکایات کے بعد ترکی نے اس معاملے میں تحقیقات شروع کی تھیں۔ استنبول پولیس ڈپارٹمنٹ اور ترکی کی قومی خفیہ تنظیم (ایم آئی ٹی) کے تعاون کے ساتھ یہ تفتیش تاحال جاری ہے۔

ترکی کے ذریعے جاری کیے گئے وارنٹ میں اسرائیلی وزیر دفاع اسرائیل کاٹز، قومی سلامتی کے وزیر اتمار بن گویر، چیف آف اسٹاف ہیرزی ہالیوی اور بحریہ کے کمانڈر ڈیوڈ سار سالاما شامل ہیں۔ چونکہ ان افراد میں سے کوئی بھی ترکی میں نہیں ہے، لہٰذا پراسیکیوٹرز نے انٹرپول کے ذریعے بین الاقوامی گرفتاری وارنٹس کی درخواست کی ہے۔ ▪▪

سرگرمیاں

خیروخبر

جامعہ اشرفیہ میں یوم مفتی اعظم ہند کا انعقاد

الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور) اہل سنت وجماعت کا ممتاز اور مشہور دینی وعلمی ادارہ اور جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خوابوں کی سچی تعبیر ہے۔ یہ فقط ایک درس گاہ اور دانش گاہ نہیں بلکہ علم و ادب، تحقیق و تصنیف، کردار سازی، اور انسانی زندگیوں کے اخلاقی اقدار سے آشنا کرنے کا ایک تربیتی مرکز بھی ہے۔ اشرفیہ کے اساتذہ اور انتظامیہ نے طلبہ کو ایک شفاف اور آزاد علمی ماحول دیا اور کھلی فضاؤں میں اڑان بھرنے کی آزادی دی اور منظم کوششوں کا مزاج عطا کیا، انہی اجتماعی کوششوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جامعہ میں ہر سال درجۂ سابعہ (فضیلت سال اول) کے طلبہ کی جانب سے "یوم مفتی اعظم ہند" کی تقریب بہت منظم، شان دار اور اعلیٰ پیمانے پر ہوتی ہے۔

ہر سال اس موقع سے مختلف مسابقاتی پروگرام بھی منعقد ہوتے ہیں، اس سال تین مسابقے: (1) تحریری مسابقہ (2) مسابقۂ خطاب، (3) مسابقۂ نحو وصرف، منعقد کیے گئے؛ تحریری مسابقے میں 300 طلبہ نے حصہ لیا وہیں تقریری مسابقہ جو کہ تین زبانوں، عربی، اردو اور انگریزی میں تھا، اس میں 60 سے زاید طلبہ نے حصہ لیا، اور مسابقۂ نحو وصرف میں 30 طلبہ نے حصہ لیا، اخیر کے دونوں مسابقے دو مرحلے میں کرائے گئے۔

مؤرخہ 21 ربیع الآخر 1447ھ مطابق 19 اکتوبر 2025ء بروز اتوار، ازہر ہند الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں ایک تاریخی پروگرام منعقد ہوا، جس ن کا آغاز قاری زہیر عالم کی تلاوت قرآن کریم سے ہو۔ پھر مولوی اختر رضا بنارسی نے حمد باری تعالیٰ اور مولانا معراج احمد نے نعتِ رسولِ مقبول ﷺ پیش کر کے محفل میں عشق وعقیدت کا رنگ بھر دیا۔ نظامت کے فرائض ابتدا میں مولوی رضاء المصطفیٰ قادری بدایونی نے انجام دیے، جب کہ بعد میں یہ خدمت جامعہ کے فاضل وخطیب استاذ حضرت علامہ مفتی زاہد علی سلامی صاحب کے سپرد کی گئی۔

محفل میں شرکت فرمانے والے خصوصی اور ممتاز مہمانانِ کرام یہ تھے: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، خلیفۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی ارسلان رضا خان (بریلی شریف) حضرت مفتی قاضی شہید عالم، استاذ جامعہ نوریہ بریلی شریف، حضرت مفتی خالد ایوب مصباحی شیرانی، حضرت مفتی محمد اختر رضا مصباحی استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف، حضرت ڈاکٹر مفتی محمد حسن مصباحی، حضرت مفتی شاہد علی رضوی اور حضرت قاری مبارک حسین بریلی شریف۔

حضرت مفتی ارسلان رضا خان نے نہایت مدلل اور بصیرت افروز خطاب فرمایا جس کا عنوان تھا: "الجامعۃ الاشرفیہ برصغیر کا ممتاز ادارہ اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان"۔ آپ نے فرمایا کہ الجامعۃ الاشرفیہ دراصل امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی کے علمی و فکری نظریات کا عملی مظہر ہے جو آج بھی عشقِ رسول ﷺ اور تحفظِ عقیدہ کی راہ میں منارۂ نور بنا ہوا ہے۔

حضرت مفتی خالد ایوب مصباحی نے "فارغین مدارس کو درپیش چیلنجز اور ان کا حل" کے عنوان آپ نے نہایت حکیمانہ انداز میں عصرِ حاضر کے فکری و دعوتی چیلنجز کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے فارغینِ مدارس کی علمی، فکری اور معاشرتی ذمہ داریوں کی وضاحت فرمائی۔

جب کہ حضرت قاضی شہید عالم نے حضور مفتیِ اعظمِ ہند

علیہ الرحمہ کی حیاتِ طیبہ کے چند سبق آموز واقعات بیان کیے اور طلبہ کو اپنے اسلاف کا مظہر بننے کی ترغیب دی۔

مذکورہ بالا تینوں مسابقے میں اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والوں کو علما و مشائخ کے ہاتھوں گراں قدر انعامات سے نوازا گیا اور ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی گئی۔ ساتھ ہی باہر سے تشریف لائے تمام مہمانوں کی بارگاہ میں اعزازیہ کے طور پر شال پیش کی گئی۔

اس کے بعد شہزادۂ حضور عزیز ملت، حضور نعیم ملت علامہ نعیم الدین عزیزی دام ظلہ العالی تھے آپ نے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور تاثراتی کلمات پیش فرمائے۔ پھر شیخ الجامعہ حضرت مفتی بدر عالم مصباحی نے بھی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور طلبۂ سابعہ کو پروگرام کے انعقاد پر ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

اخیر میں صلاۃ و سلام کی سعادت مولوی سیف رضا صاحب نے حاصل کی اور دعا حضرت مفتی ارسلان رضا خان صاحب نے فرمائی۔

دو دہائیوں سے یوم مفتی اعظم ہند کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ طلبہ سابعہ کی جانب سے نادر و نایاب علمی و تحقیقی کتابوں کی اشاعت بھی ہو رہی ہے۔ اس سال بھی یہ روایت برقرار رہی اور تین اہم علمی و تحقیقی نوادر زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر عام آ رہی ہیں۔

(1)ظفر الأماني في شرح مختصر الجرجاني۔
(۲)الدر المنظوم في أسانيد بحر العلوم"
(۳)النور و البهاء فى اسانيد الاحاديث و سلاسل الاولياء

اللہ تعالیٰ اس مادرِ علمی کو ہمیشہ آباد رکھے، اس کے اساتذہ و طلبہ کو علم و عمل، اخلاص و استقامت عطا کرے۔

از: طلبۂ جماعتِ سابعہ، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں تکمیل حفظ قرآن کریم تقریب کا انعقاد

مبارک پور اعظم گڑھ (نامہ نگار) مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں تکمیل حفظ قرآن کریم تقریب کا انعقاد ہوا جس کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا، اس دوران مولانا محبوب عزیزی اور مولانا غلام حسین مصباحی، اور حافظ و قاری جمیل احمد مصباحی نے مشترکہ طور پر جملہ فارغین کو نصیحت آمیز کلمات سے نوازا اور حفظ قرآن کی عظمت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ حفظ قرآن کی عظمت بہت زیادہ ہے، اور یہ نہ صرف ایک عظیم روحانی عمل ہے بلکہ ایک باعزت اور فضیلت کا مقام بھی ہے۔ قرآن کو یاد کرنے سے نہ صرف دنیاوی زندگی میں کامیابی اور آخرت میں نجات حاصل ہوتی ہے، بلکہ حافظ قرآن کو شفاعت اور اللہ کی رحمت کا درجہ بھی ملتا ہے، انھوں نے حافظ قرآن کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے جملہ فارغ ہونے والے طلبہ کو اجتماعی طور پر تکمیل حفظ قرآن پاک کا درس دیتے ہوئے ان کے صحت و سلامتی کی دعائیں دی اور ان کے استاد گرامی حافظ و قاری محمد اجمل مصباحی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اپنے دعائیہ کلمات میں کہا کہ اللہ تعالیٰ قاری موصوف کے علم و عمل میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے آمین. ملحوظ رہے کہ تقریب کے بعد تکمیل حفظ قرآن کرنے والے محمد صدیق ابن حاجی حیات النبی، یاسر عرفات ابن اعجاز احمد، فضل حق ابن محمد معین الدین اور ریحان الدین ابن محمد جابر کو حاضرین نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے انھیں اعزاز سے نوازا. اخیر میں فاتحہ خوانی اور دعا پر تقریب کا اختتام ہوا.

اس موقع پر مولانا محمود مصباحی، حافظ شمشاد احمد، محمد علاء الدین زمزم حضوری، حافظ علی اصغر سمیت فارغین طلبہ کے سرپرست اور دیگر حاضرین کثیر تعداد میں موجود تھے۔

خیابانِ حرم

منقبت حضور حافظ ملت

عاشقِ شاہِ ہدیٰ ہیں حضرتِ عبد العزیز
عارفِ رمزِ خدا ہیں حضرتِ عبد العزیز

پیکرِ صدق و صفا ہیں حضرتِ عبد العزیز
شمعِ علم و اتّقا ہیں حضرتِ عبد العزیز

بالیقیں بن کر یہاں پر جلوۂ امجد علی
اہلِ سنت کی ضیا ہیں حضرتِ عبد العزیز

آج تک لوٹا نہیں خالی کوئی دربار سے
صاحب جود و سخا ہیں حضرتِ عبد العزیز

آپ کے علم و ہنر کو دیکھ کر سب نے کہا
وارثِ علمِ رضا ہیں حضرتِ عبد العزیز

عشقِ سرکارِ دو عالم میں فنا کی زندگی
منبعِ عشق و وفا ہیں حضرتِ عبد العزیز

رب تعالی کی عطا سے ہم ہیں ان کے مقتدی
اور ہمارے مقتدا ہیں حضرتِ عبد العزیز

ہر کوئی کہتا ہے عؔادل علم و حکمت دیکھ کر
فیضِ ختم الانبیاء ہیں حضرتِ عبد العزیز

از: **عادل رضا پورنوی**
متعلم: جامعہ اشرفیہ

نعت شریف

بن جائیں جو سرکار کا رستہ مری آنکھیں
دیکھیں گی سر عرش معلیٰ مری آنکھیں

دیوار تمنا پہ لگا رکھا ہے طغریٰ
حسرت سے تکیں گنبد خضرا مری آنکھیں

سرکار کے روضے کا تصور ہے مرے ساتھ
احساس ندامت سے ہیں دریا مری آنکھیں

ہر وقت وہیں بیٹھ کے سوچا کروں ان کو
بن جائیں اگر میرا دریچہ مری آنکھیں

آقا کی گلی ڈھونڈتی رہتی ہیں مسلسل
ہر سمت جو پھرتی ہیں ہمیشہ مری آنکھیں

نقش قدم شاہ امم دیکھیں جو اک بار
کیوں دیکھیں کوئی منظر دنیا مری آنکھیں

مل جائے جو خاک در سرکار کا سرمہ
بن جائیں گی بے مثل مسیحا مری آنکھیں

دیدار مجھے کرنا ہے آقا کا لحد میں
تم بند نہ کر دینا خدارا مری آنکھیں

اک پل نہ رکیں چل پڑیں سرکار کی جانب
دیکھیں جو مقدر کا اشارا مری آنکھیں

سرکار اگر آمد و شد کے لیے برتیں
اے نور بنیں آئنہ خانہ مری آنکھیں

سید محمد نور الحسن نور نوّابی

زرِ معتبر

عجز کی آخری سرحد پہ کھڑا ہے بندہ
عشقِ معبودِ حقیقی کی رما کر دھونی

ایک گلزار سرِ بزمِ نگارِ رحمت
ایک تمثیل کہ کردار ہیں جس کے زندہ

اُسکے تذکار سے روشن ہے ازل کا سینہ
اُس کے افکار سے مہکا ہے ابد کا گلشن

اُسکے ہر عکس سے پھوٹی ہے اُجالوں کی کرن
گنگناتا ہوا دریا ہے محبت کا وہی

مسکراتا ہُوا وہ طاقِ صداقت کا چراغ
نغمۂ جود و سخا ہے سرِ مضرابِ یقین

اُس کا ہر نقش ہے تفسیرِ حیاتِ ابدی
اُسکا دامانِ کرم سارے زمانوں پہ محیط

بجھتی آنکھوں کو بھی منظر وہ سہانے دے گا
میرے ہر لفظ کو معنی کے خزانے دے گا

ریاض حسین چودھری

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

DEC 2025

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 **(Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459**

www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

2026

اشرفیہ کلینڈر

حاصل کرنے کے لیے
رابطہ کریں:
منیجر ماہنامہ اشرفیہ
9935162520